فتوی مسمّٰی بہ

اَلطرس المعدل فی حدّ الماء المستعمل [۱۳]

استعمال شدہ پانی کی تعریف میں منصف صحیفہ (رسالہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

مسئلہ ۲۸ ۵ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آبِ مستعمل کی کیا تعریف ہے بینوا توجروا۔

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد الِمن جعل الطھور غاسل اٰثامنا فطھرا وا حنا باسالۃ الماء علی اجسامنا فیالہ من منۃ واٰفضل الصلاۃ واز کی السلام علی من طھرنا من الانجاس وادام دیم نعمہ علینا حتی نقانا من الادناس وعلی اٰلہ وصحبہ واھل السنۃ اٰمین۔

اقول وباللہ التوفیق ماءِ مستعمل وہ قلیل پانی ہے جس نے یا تو تطہیر نجاست حکمیہ سے کسی واجب کو ساقط کیا یعنی انسان کے کسی ایسے پارۂ جسم کو مس کیا جس کی تطہیر وضو یا غسل سے بالفعل لازم تھی یا ظاہر بدن پر اُس کا استعمال خود کارِ ثواب تھا اور استعمال کرنے والے نے اپنے بدن پر اُسی امرِ ثواب کی نیت سے استعمال کیا اور یُوں اسقاطِ واجب تطہیر یا اقامت قربت کرکے عضو سے جُدا ہوا اگرچہ ہنوز کسی جگہ مستقر نہ ہوا بلکہ روانی میں ہے اور بعض نے زوالِ حرکت وحصول استقرار کی بھی شرط لگائی۔ یہ بعونہ تعالٰی دونوں مذہب پر صد جامع مانع ہے کہ ان سطروں کے سوا کہیں نہ ملے گی۔ اب فوائد قیود سنیے:

(۱) آبِ کثیر یعنی دَہ در دَہ یا جاری پانی میں محدث وضو یا جنب غسل کرے یا کوئی نجاست ہی دھوئی جائے تو پانی نہ نجس ہوگا نہ مستعمل لہٰذا قلیل کی قید ضرور ہے۔

(۲) محدث نے تمام یا بعض اعضائے وضو دھوئے اگرچہ بے نیت وضو محض ٹھنڈ یا میل وغیرہ جُدا کرنے کے لیے یا اُس نے اصلاً کوئی فعل نہ کیا نہ اُس کا قصد تھا بلکہ کسی دوسرے نے اُس پر پانی ڈال دیا جو اُس کے کسی ایسے عضو پر گزرا جس کا وضو یا غسل میں پاک کرنا ہنوز اُس پر فرض تھا مثلاً محدث کے ہاتھ یا جُنب کی پیٹھ پر تو ان سب صورتوں میں شکل اول کے سبب پانی مستعمل ہوگیا کہ اس نے محل نجاست حکمیہ سے مس کرکے اُتنے ٹکڑے کی تطہیر واجب کو ذمہ

مکلف سے ساقط کرنا اگرچہ پچھلی صورتوں میں ہنوز حکم تطہیر دیگر اعضا میں باقی ہے اور پہلی میں تو یعنی جبکہ تمام اعضا دھولیے فرض تطہیر پورا ہی ذمہ سے اتر گیا۔

تنبیہ پانی کوئی یا بڑے مٹکے کے سوا کہیں نہیں وہ برتن جھکانے کے قابل نہیں چھوٹا برتن مثلاً کٹورا ایک ہی پاس تھا وہ اسی برتن میں گر کر ڈوب گیا کوئی بچہ یا باوضو آدمی ایسا نہیں جس سے کہہ کر نکلوائے اب مجبوری محدث خود ہی ہاتھ ڈال کر نکالے گا یا چھوٹا برتن سرے سے ہے ہی نہیں تو ناچار چلو لے کر یا ہاتھ دھوئے گا ان دونوں صورتوں میں بھی اگرچہ شکل اول اعنی اسقاط واجب تطہیر پائی گئی مگر یہ ضرورۃً معاف رکھی گئی ہیں بے ضرورت ایسا کرے گا تو پانی کل یا بعض بالاتفاق مستعمل ہو جائے گا اگرچہ ایک قول پر قابل وضو رہے۔ بیان اس کا یہ ہے کہ محدث یعنی بے وضو یا حاجت غسل والے کا وہ عضو جس پر سے ہنوز حکم تطہیر ساقط نہ ہوا اگرچہ کتنا ہی کم ہو مثلاً پورا یا ناخن اگر قلیل پانی سے مس کرے تو ہمارے علما کو اختلاف ہے بعض کے نزدیک وہ سارا پانی مستعمل ہو جاتا ہے اور قابل وضو و غسل نہیں رہتا اور بعض کے نزدیک صرف اتنا مستعمل ہوا جس قدر اُس پارۂ بدن سے ملا باقی آس پاس کا پانی جو اُس عضو کی محاذات میں ہے اور اُس سے مس نہ ہوا مستعمل نہ ہوا یوں ہی وہ تمام پانی کہ اُس عضو کے پہنچنے کی جگہ سے نیچے ہے اُس پر بھی حکم استعمال نہ آیا۔ اس قول پر مٹکے یا کوئی میں کہنی تک ہاتھ ڈالنے سے بھی پانی قابل طہارت رہے گا کہ ظاہر ہے جو پانی ہاتھ کے آس پاس اور اس سے نیچے رہا وہ اس حصے سے بہت زاید ہے جس نے ہاتھ سے مس کیا اور جب غیر مستعمل پانی مستعمل سے زاید ہو تو پانی قابلِ وضو و غسل رہتا ہے مثلاً لگن میں وضو کیا اور وہ پانی ایک گھڑے بھر آب غیر مستعمل میں ڈال دیا تو یہ مجموع قابلِ وضو ہے کہ مستعمل نامستعمل سے کم ہے اسی پر قیاس کرکے ان بعض نے ہاتھ ڈالنے کا حکم رکھا کہ مستعمل تو اُتنا ہی ہوا جتنا ہاتھ کو لگا باقی کہ الگ رہا اُس پر غالب ہے اور فریقِ اول نے فرمایا کہ پانی ایک متصل جسم ہے اس کے بعض سے ملنا کُل سے ملنا ہے لہذا ناخن کی نوک یا پورے کا کنارہ لگ جانے سے بھی کل مٹکا مستعمل ہو جائے گا۔ یہ دو قول ہیں اور فریقِ اول ہی کا قول احتیاط ہے بہرحال اتنے میں فریقین متفق ہیں کہ بے ضرورت چلو لینے یا ہاتھ ڈالنے سے پانی مستعمل ہو جائے گا اگرچہ بعض تو ہماری تعریف اس قول پر بھی ہر طرح جامع مانع ہے۔

(۳) باوضو آدمی نے بہ نیت ثواب دوبارہ وضو کیا۔

(۴) سمجھ وال نابالغ نے وضو بقصدِ وضو کیا۔

(۵) حائض و نفسا کو جب تک حیض و نفاس باقی ہے وضو و غسل کا حکم نہیں مگر انھیں مستحب ہے کہ نماز پنجگانہ کے وقت اور اشراق و چاشت و تہجد کی عادت رکھتی ہو تو ان وقتوں میں بھی وضو کرکے کچھ دیر یادِ الٰہی کر لیا کرے کہ عبادت کی عادت باقی رہے۔ انھوں نے یہ وضو کیا۔

(۶) پاک آدمی نے ادائے سنّت کو جمعہ یا عیدین یا عرفے یا احرام یا اوراوقات مسنونہ کا غسل یا میت کو غسل دینے کا وضو یا غسل کیا۔

(۷) باوضو نے کھانا کھانے کو یا کھانا کھا کر بہ نیت ادائے سنّت ہاتھ دھوئے یا کُلّی کی۔

(۸) وضوئے فرض یا نفل میں جو پانی کُلّی یا ناک میں پہنچانے میں صرف ہوا۔

(۹) کچھ اعضاء دھو لیے تھے خشک ہو گئے سنّت موالات کی نیت سے انھیں پھر دھویا ان سب صورتوں میں شکل دوم کے سبب مستعمل ہو جائے گا اگرچہ اسقاط واجب نہ کیا اقامت قربت کی میت کو نہلا کر غسل کرنا بھی مستحب ہے کما فی الدر وغیرہ۔

(۱۰) میت کے بارے میں علماء مختلف ہیں جمہور کے نزدیک موت نجاست حقیقیہ ہے اس تقدیر پر تو وہ پانی کہ غسل میت میں صرف ہوا مائے مستعمل نہیں بلکہ ناپاک ہے اور بعض کے نزدیک نجاست حکمیہ ہے بحرالرائق وغیرہ میں اسی کو اصح کہا اس تقدیر پر وُہ پانی بھی مائے مستعمل ہے اور ہماری تعریف کی شق اول میں داخل کہ اُس نے بھی اسقاط واجب کیا۔

اقول ولہٰذا ہم نے انسان کا پارۂ جسم کہا نہ مکلف کا کہ میت مکلف نہیں۔ اور تطہیر لازم تھی کہا نہ یہ کہ اس کے ذمے پر لازم تھی کہ یہ تطہیر میت کے ذمے پر نہیں احیا پر لازم ہے۔

(۱۱) یوں ہی غسل میت کا دوسرا اور تیسرا پانی بھی آب مستعمل ہو گا کہ اگرچہ پہلے پانی سے اسقاط واجب ہو گیا مگر غسلِ میت میں تثلیث بھی قربت مطلوبہ فی الشرع ہے۔

اقول ولہٰذا ہم نے شق دوم میں بھی بدن انسان مطلق رکھا۔

(۱۲) وضو علی الوضو کی نیت سے دوسرے کو کہا مجھے وضو کرا دے اُس نے بے نیت ثواب اُس کے اعضائے وضو دھو دیے پانی مستعمل ہو گیا کہ جب اس کے امر سے ہے اور اس کی نیت قربت کی ہے تو وہ اسی کا استعمال قرار پائے گا الاترٰی انہ لوفعل ذٰلک محدث ونوی فقد اتی بالمامور بہ مع ان امر فاغسلوا وامسحوا انما کان علیہ (جیسا کہ اگر بے وضو ایسا کرے اور نیت کرے تو مامور بہ کو بجا لانے والا ہو گا جو فاغسلوا وامسحوا سے اس پر لازم تھا ت)

(۱۳) باوضو آدمی نے اعضاء ٹھنڈے کرنے یا میل دھونے کو وضو بے نیت وضو علی الوضو کیا پانی مستعمل نہ ہو گا کہ اب نہ اسقاط واجب ہے نہ اقامت قربت۔

(۱۴) معلوم تھا کہ عضو تین بار دھو چکا ہوں اور ہنوز پانی خشک بھی نہ ہوا تھا بلا وجہ چوتھی بار اور ڈالا یہ بھی قربت نہیں بلکہ خلاف ادب ہے۔

(۱۵) ہاں اگر شک ہو کہ دو بار دھویا یا تین بار یوں تیقن تثلیث کے لیے پانی پھر ڈالا تو مستعمل ہو جائیگا

اگرچہ واقع میں چوتھی بار ہو۔

(۱۶) جسے حاجتِ غسل نہیں اُس نے اعضائے وضو کے سوا مثلاً پیٹھ یا ران دھوئی۔

(۱۷) باوضو نے کھانا کھانے کو یا کھانے سے بعد یا ویسے ہی ہاتھ منہ صاف کرنے کو ہاتھ دھوئے کُلّی کی اور ادائے سنّت کی نیت نہ تھی مستعمل نہ ہو گا کہ حدث و قربت نہیں۔

(۱۸) باوضو نے صرف کسی کو وضو سکھانے کی نیت سے وضو کیا مستعمل نہ ہوا کہ تعلیم وضو اگرچہ قربت ہے مگر وضو سکھانے کو وضو کرنا فی نفسہٖ قربت نہیں سکھانا قربت ہے اور وہ زبان سے بھی ممکن ولہٰذا ہم نے قید لگائی کہ وہ استعمال خود کارِ ثواب ہو۔ فعل فی نفسہ مطلوب فی الشرع ولو مقصود الغیرہ کالوضوء (فعل فی نفسہٖ مطلوب فی الشرع ہے اگرچہ مقصود لغیرہ ہو جیسے وضو ہے۔ ت)

(۱۹) کوئی پاک کپڑا وغیرہ دھویا۔

(۲۰ و ۲۱) کسی جانور یا نابالغ بچے کو نہلایا اور ان کے بدن پر نجاست نہ تھی اگرچہ وُہ جانور غیر ماکول اللحم ہو جیسے بلّی یا چوہا حتی کہ مذہب راجح میں کُتّا بھی جبکہ پانی اُن کے لعاب سے جُدا رہا ——————

اگرچہ یہ نہلانا اُن کے دفع مرض یا شدت گرما میں ٹھنڈ پہنچانے کو بہ نیت ثواب ہو مستعمل نہ ہو گا۔

اقول کپڑا برتن جانور اور ان کے امثال تو بدن انسان کی قید سے خارج ہوئے اور نابالغ کو نہلانا مثل وضوئے تعلیم خود قربت نہیں کہ بچوں کے نہلانے کا کوئی خاص حکم شرع میں نہ آیا ہاں انھیں بلکہ ہر مسلمان وجاندار کو نفع و آرام پہنچانے کی ترغیب ہے یہ امور عادیہ اُس حکم کی نیت سے کئے گئے ہوں تو وہ کے پیچھے اگر قربت ہو سکتے ہیں مگر موجب استعمال وہی فعل ہے جو بذاتِ خود قربت و مطلوب شرع ہو۔

(۲۲) حائض و نُفَسا نے قبل انقطاع دم بے نیت قربت غسل کیا پانی مستعمل نہ ہو گا کہ اس نے اگرچہ انسان کے جسم کو مس کیا جس کی تطہیر غسل سے واجب ہو گی مگر ابھی لازم نہیں بعد انقطاع لزوم ہو گا۔

اقول ولہٰذا ہم نے بالفعل کی قید لگائی۔

(۲۳) ناسمجھ بچے نے وضو کیا جس طرح دو تین سال کے اطفال ماں باپ کو دیکھ کر بطور نقل و حکایت افعال وضو و نماز کرنے لگتے ہیں پانی مستعمل نہ ہو گا کہ نہ قربت نہ حدث۔

(۲۴) وضو کرنے میں پانی کو جب تک اُسی عضو پر بہ رہا ہے حکم استعمال نہ دیا جائے گا ورنہ وضو محال ہو جائے بلکہ جب اُس عضو سے جُدا ہو گا اس وقت مستعمل کہا جائے گا اگرچہ ہنوز کہیں مستقر نہ ہوا ہو مثلاً منہ دھونے میں کلائی پر پانی لیا اور وہی پانی کہ مُنہ سے جُدا ہو کر آیا کلائی پر بہا لیا جمہور کے نزدیک کافی نہ ہو گا کہ مُنہ سے منفصل ہوتے ہی حکم استعمال ہو گیا ہاں جن بعض کے یہاں استقرار شرط ہے اُن کے نزدیک کافی ہے کہ ابھی مستعمل نہ ہوا اور غسل میں سارا بدن عضو واحد ہے تو سر کا پانی کہ پاؤں تک بہتا جائے جس جس جگہ گزرا سب کو پاک کرتا جائے گا۔

(۲۵) اقول نجاست میں حکمیہ کی تقیید کا فائدہ ظاہر ہے کہ جو پانی نجاست حقیقیہ کے ازالہ میں صرف ہو ہمارے نزدیک مطلقاً ناپاک ہو جائے گا نہ کہ مستعمل۔

(۲۶) اقول ہم نے پانی کو مطلق رکھا اور خود رفع نجاست حکمیہ و اقامت قربت ہائے مذکورہ سے واضح کہ پانی سے مائے مطلق مراد ہے تو شوربے یا دودھ کی لسی یا نبیذ تمر سے اگر وضو کرے وہ مستعمل نہ ہونگے کہ ان سے وضو ہی نہ ہوگا تو مستعمل کیا ہوں۔

(۲۷) خود نفس جنس یعنی پانی نے دودھ سرکہ گلاب کیوڑے وغیرہا کو خارج کر دیا کہ اُن سے وضو کرے تو مستعمل نہ ہوں گے اگرچہ بے وضو ہو اگرچہ جُنب ہو اگرچہ نیت قربت کرے کہ غیر آب نجاست حکمیہ سے اصلاً تطہیر نہیں کر سکتا۔

تنبیہ اگر کہیے ۲۶ و ۲۷ کا ثمرہ کیا ہے کہ مستعمل ہونے سے ہمارے نزدیک شے نجس نہیں ہو جاتی صرف نجاست حکمیہ دُور کرنے کے قابل نہیں رہتی یہ قابلیت ان اشیاء میں پہلے بھی نہ تھی تو اُن کو مستعمل نہ ماننے کا فائدہ کیا ہوا۔

اقول اول تو یہی فائدہ بہت تھا کہ مستعمل نہ ہونے سے ان کی طہارت متفق علیہ رہے گی کہ مستعمل کی طہارت میں ہمارے ائمہ کا اختلاف ہے اگرچہ صحیح طہارت ہے۔

ثانیاً مستعمل اگرچہ طاہر ہے مگر قذر ہے مسجد میں اُس کا ڈالنا ناجائز ہے ان اشیاء کو مستعمل نہ بتانے سے یہ معلوم ہوا کہ مثلاً جس گلاب سے کسی نے وضو کیا اُسے مسجد میں چھڑک سکتے ہیں کہ وہ مستعمل نہ ہوا۔

بالجملہ یہ وہ نفیس وجلیل جامع و مانع و شافی و نافع تعریف مائے مستعمل ہے کہ بفضلِ الٰہی خدمت کلمات علمائے کرام سے اس فقیر پر القا ہوئی وللّٰہ الحمد سہولت حفظ کے لیے فقیر اسے نظم کرتا اور برادران دینی سے دعائے عفو و عافیت کی طمع رکھتا ہے ؎

مائے مستعمل کہ طاہر نا مطہر وصف اوست ۔۔۔ جامع و مانع حدِاُو زرضا دو حرف شد
مطلقے کو واجبے یا سنتے زحدثے کاست یا ۔۔۔ بر بشر و رقربت مطلوبہ عیناً صرف شد
راکدے کا نفصال جدا شد از بدن مستعمل ست ۔۔۔ لیک نزد بعض چون قائم بجا یا ظرف شد

دو شعر اخیر میں وہ تمام تفاصیل آگئیں جو یہاں تک مذکور ہوئیں اور یہ بھی کہ راجح قول اول ہے یعنی بدن سے جدا ہوتے ہی مستعمل کا حکم دیا جائے گا کسی جگہ مستقر ہونا شرط نہیں۔ اب عبارات علماء اور بعض مسائل مذکورہ میں اپنی تحقیق مفرد ذکر کریں وباللّٰہ التوفیق۔ تنویر الابصار و دُرمختار و ردالمحتار میں ہے:

لا یجوز بماء استعمل لاجل قربۃ ای ثواب ولو ۔۔۔ وضو اُس پانی سے جائز نہیں جس کو بطور ثواب استعمال کیا گیا ہو

لے ترجمہ: مستعمل پانی جو کہ خود پاک ہوتا ہے اور دوسرے کو پاک نہیں کرتا رضا سے اس کی جامع مانع تعریف دو باتوں میں ہوئی ۞ جس سے مطلقاً حدث زائل ہوا ہو یا قربت مقصودہ کی نیت سے بدن پر استعمال ہوا ہو ۞ قلیل پانی جب بدن سے جُدا ہوا تو مستعمل ہو جائیگا لیکن بعض کے نزدیک بدن سے جُدا ہو کر کسی جگہ یا ظرف میں اس کا قرار ضروری ہے۔

عہ راکد بمعنے غیر جاری یعنی آب قلیل کہ دہ در دہ نباشد ۱۲ (م)

من مميّز[۱] (اذا توضأ يريد به التطهير كما فی الخانية وظاهره انه لو لم يرد به ذلك لم يصر مستعملا[۲]) او حائض لعادة عبادة[۳] (قال فی النهر قالوا وضوء الحائض يصير مستعملا لانه يستحب لها الوضوء لكل فريضة وان تجلس فی مصلاها قدرها كيلا تنسى عادتها وينبغی ان لو توضأت لتهجد عادی او صلاة ضحی ان يصير مستعملا اھ واقره الرملی وغيره ووجهه ظاهر فلذا جزم به الشارح فاطلق العبادة تبعا لجامع الفتاوی[۴]) او غسل ميت[۵] (وكون غسالته مستعملة هو الاصح بحر اقول قول العامة واعتمده البدائع ان نجاسة الميت نجاسة خبث لانه حيوان دموی ويجوز عطفه علی مميز ای ولو من اجل غسل ميت لانه يندب الوضوء من غسل الميت[۶]) او يد لاكل او منه بنية السنة[۷] (قيد به فی البحر اخذا من قول المحيط لانه اقام به قربة لانه سنة اھ فی النهر وعليه ينبغی اشتراطه فی كل

اگرچہ اس بچّہ نے استعمال کیا ہے جس میں شعور پیدا ہوچکا ہو (جبکہ وضو کیا کہ اس سے اس کا ارادہ پاکی حاصل کرنے کا تھا کما فی الخانیہ اور اس کا ظاہر یہ ہے کہ اگر اس سے طہارت کا ارادہ نہ کیا تو مستعمل نہ ہوگا) یا حائض عبادۃ کی عادت کی وجہ سے (نہر میں ہے کہ فقہاء نے فرمایا حائض کے وضو سے مستعمل ہوجائے گا کہ اس کے لیے ہر فرض کے لیے وضو مستحب ہے اور یہ کہ نماز کی مقدار میں اپنے مصلّٰی پر بیٹھے تاکہ نماز کی عادت نہ ختم ہوجائے، اور اگر تہجد یا نمازِ چاشت کے لیے اُس نے وضو کیا تو چاہیے کہ وہ پانی مستعمل ہوجائے اھ رملی وغیرہ نے اس کو برقرار رکھا، اور اس کی وجہ ظاہر ہے، اس لیے اس پر شارح نے جزم کیا اور عبادۃ کو مطلق رکھا، جامع الفتاوٰی کی متابعت میں) یا میّت کو غسل دیا (اور اس غسل کے مستعمل پانی کا مستعمل ہونا ہی اصح ہے بحر، میں کہتا ہوں عام فقہاء کا قول یہی ہے، اس پر بدائع نے اعتماد کیا کہ میّت کی نجاست خُبث کی نجاست ہے، کیونکہ میت خون والا جانور ہے، اور اس کا

---

[۱] الدرالمختار باب المیاہ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷
[۲] ردالمحتار باب المیاہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۴۵
[۳] الدرالمختار باب المیاہ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷
[۴] ردالمحتار باب المیاہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۴۵
[۵] الدرالمختار باب المیاہ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷
[۶] ردالمحتار باب المیاہ مصر ۱/ ۱۴۵
[۷] درمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷

سنة كغسل فم وانف اه قال الرملي ولا تردد فيه حتى لو لم يكن جنبا وقصد بغسل الفم والانف مجرد التنظيف لا اقامة القربة لا يصير مستعملا[1]) او لرفع حدث كوضوء محدث ولو للتبرد فلو توضأ متوضئ لتبرد او تعليم او لطين بيده لم يصر مستعملا اتفاقا[2] واورد ان تعليم الوضوء قربة واجاب البحر وتبعه النهر وغيره ان التوضئ نفسه ليس قربة بل التعليم وهو خارج عنه ولذا يحصل بالقول[3]) كزيادة على الثلث بلا نية قربة[4] (ان اراد الزيادة على الوضوء الاول وفيه اختلاف المشايخ اما لو اراد بها ابتداء الوضوء صار مستعملا بلا خلاف اي اذا كان بعد الفراغ من الوضوء الاول والا لكان بدعة كما هو فلا يصير مستعملا وهذا ايضا اذا اختلف المجلس والا فلا لانه مكروه بحر لكن قدمنا[عہ] ان المكروه تكراره في مجلس مرارا[5]) وكغسل نحو فخذ[6] (مما ليس من اعضاء الوضوء وهو

عطف ممیز پر جائز ہے یعنی" اگرچہ میت کے غسل کی وجہ سے ہو کیونکہ میت کو نہلانے کے بعد وضو کرلینا مندوب ہے) یا ہاتھ دھونا کھانے کیلئے یا اس سے بہ نیت سنت (بحر میں یہ قید محیط کے قول سے لے کر لگائی ہے کیونکہ اُس نے اس سے عبادت ادا کی ہے اس لیے کروہ سنت ہے اھ اور نہر میں ہے کہ اس بنا پر یہ شرط لگانی چاہیے ہر سنت میں جیسے منہ کا دھونا یا ناک میں پانی ڈالنا' اھ رملی نے کہا کہ اس میں کوئی تردد نہیں حتی کہ اگر وہ جنب نہ ہو اور منہ اور ناک کے دھونے سے محض صفائی کا ارادہ کرے نہ کہ قربت کی ادائیگی کا تو پانی مستعمل نہ ہوگی یا حدث کو رفع کرنے کے لیے جیسے بے وضو کا وضو کرنا خواہ ٹھنڈک کے حصول کے لیے ہو، تو اگر کسی باوضو شخص نے ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے، سکھانے کے لیے، یا ہاتھوں کی مٹی چھڑانے کے لیے وضو کیا تو یہ پانی مستعمل نہ ہوگا' بالاتفاق (اس پر یہ اعتراض وارد کیا گیا ہے کہ وضو کرنے کی تعلیم دینا بجائے خود عبادت ہے؟ بحر نے اس کا جواب دیا جس کو نہر وغیرہ نے بھی پسند

۱۔ ردالمحتار باب المیاہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۶
۲۔ الدرالمختار باب المیاہ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۳۷
۳۔ ردالمحتار باب المیاہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۶
۴۔ الدرالمختار باب المیاہ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۳۷

عہ قد قدمنا التحقيق في كل ذلك في بارق النور فتذكره اه منه قدس سره۔

ہم نے اس کی تحقیق بارق النور میں پہلے بیان کردی ہے اس کو یاد کرے اھ (ت)

۵۔ ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۶   ۶۔ الدرالمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۷

محدث لاجنب[1]) اوثوب طاھر[2] (ونحوہ من الجامدات کقدور وثمار قہستانی[3]) اودابۃ توکل[4] (بحرعن المبتغی قال سیدی عبدالغنی وغیرھا کذلك لاتنجس الماء ولا تسلب طھوریتہ کحمار وفارۃ وسباع بھائم لو یصل الماء الٰی فمہا اھ وذکر الرحمتی نحوہ[5]) اولاسقاط فرض بان یغسل بعض اعضائہ[6] (التی یجب غسلہا احترازا عن غسل المحدث نحو الفخذ[7]) اویدخل یدہ اورجلہ فی حب لغیر اغتراف ونحوہ[8] (بل لتبرد اوغسل ید من طین او عجین فلو قصد الاغتراف ونحوہ کاستخراج کوز لم یصر مستعملا للضرورۃ[9]) فانہ یصیر مستعملا اذا انفصل عن عضو وان لم یستقر فی شیئ علی المذھب وقیل اذا استقر[10] (فی مکان من ارض اوکف اوثوب ویسکن عن التحرك وھذا قول طائفۃ من مشایخ بلخ واختارہ فخرالاسلام وغیرہ وفی الخلاصۃ وغیرھا انہ المختار الا ان العامۃ علی الاول وھو الاصح واثر الخلاف یظھر

کیاکہ وضو خود قربت نہیں ہے، ہاں تعلیم قربت ہے اور تعلیم وضو سے الگ شے ہے اس لیے تعلیم صرف قول سے بھی ہوجاتی ہے) جیسے تین مرتبہ سے زاید اعضاءِ وضو کا بلا نیت قربت دھونا (یہ اُس وقت ہے جب اُس کا ارادہ یہ ہو کہ پہلے وضو پر زیادتی کی جائے اور اس میں مشایخ کا اختلاف ہے، اور اگر اس سے وضو کی ابتداء مراد ہو تو اس طرح پانی مستعمل ہوجائے گا، بدائع، یعنی جبکہ پہلے وضو سے فراغت کے بعد ہو ورنہ بدعت ہوگا جیساکہ گزرا تو مستعمل نہ ہوگا، اور یہ بھی اُس وقت ہے جبکہ مجلس مختلف ہو ورنہ نہیں کیونکہ یہ مکروہ ہے، بحر۔ لیکن ہم پہلے بیان کرآئے ہیں کہ مکروہ اس کا ایک ہی مجلس میں کئی مرتبہ تکرار ہے) اور جیسے ران کا دھونا (جو اعضاءِ وضو سے نہیں ہے حالانکہ وہ بے وضو ہو نہ کہ جُنب ہو) یا پاک کپڑا (اور اسی کی مثل خشک اشیاء جیسے ہانڈیاں اور پھل، قہستانی) یا وہ چوپایہ جس کا گوشت کھایا جاتا ہو (بحر نے اس کو مبتغی سے روایت کیا، سیدی عبدالغنی وغیرہ نے کہا اور اسکے علاوہ بھی پانی ناپاک نہیں کرتے ہیں اور اُس کے پاک کرنے کی صفت کو اُس سے

[1] ردالمحتار، باب المیاہ، مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۶
[2] درمختار، باب المیاہ، مجتبائی دہلی ۱/۳۷
[3] ردالمحتار " " "
[4] درمختار " " "
[5] ردالمحتار " " "
[6] درمختار " " "
[7] ردالمحتار " " ۱/۱۳۷
[8] درمختار " " "
[9] ردالمحتار " " "
[10] درمختار " " "

فیما لو انفصل فسقط علی انسان فاجراہ علیہ صح علی الثانی لا الاول نھر وقدمران اعضاء الغسل کعضو واحد فلو انفصل منہ فسقط علی عضو اٰخر من اعضاء الغسل فاجراہ علیہ صح علی القولین[۱] اھ ملتقطا وفی الھندیۃ عن التاتارخانیۃ لو توضأ بالخل او ماء الورد لا یصیر مستعملا عند الکل[۲] اھ

سلب نہیں کرتے ہیں، جیسا گدھا، خچر، اور چوپایوں میں سے درندے جبکہ پانی ان کے منہ تک نہ پہنچے اھ اور رحمتی نے ایسا ہی ذکر کیا) یا کسی فرض کو ساقط کرنے کے لیے مثلاً یہ کہ کسی عضو کو دھوئے) اُن اعضاء میں سے جن کا دھونا لازم ہے، یہ بے وضو شخص کے اپنی ران وغیرہ کو دھونے سے احتراز ہے) یا اپنا ہاتھ یا پیر کسی گڑھے میں ڈالے، اُس سے چُلّو وغیرہ نہ بھرے (بلکہ ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے یا ہاتھوں کو مٹی سے یا آٹے سے صاف کرنا مقصود، تو اگر چلّو بھرنے کا ارادہ کیا جیسے پانی سے لوٹا نکالنے کے لیے ہاتھ ڈالا تو پانی مستعمل نہ ہوگا کیونکہ یہ ضرورتاً ہے) کیونکہ پانی مستعمل اُس وقت ہوگا جبکہ عضو سے جُدا ہو، اگرچہ کسی چیز پر نہ ٹھہرے، مذہب یہی ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ جبکہ کسی جگہ پر ٹھہرے، (زمین پر یا ہاتھ پر یا کپڑے پر، اور حرکت کے بعد اس میں سکون پیدا ہو چکا ہو، یہ بلخ کے مشائخ میں سے بعض کا قول ہے اس کو فخر الاسلام وغیرہ نے پسند کیا ہے اور خلاصہ وغیرہ میں ہے کہ یہی مختار ہے، مگر عام علماء پہلے قول پر ہی ہیں اور وہی اصح ہے، اس اختلاف کا اثر اس صورت میں ہوگا جبکہ پانی جدا ہو کر کسی انسان پر گرے اور وہ اس کو اپنے اوپر جاری کرے تو دوسرے قول پر صحیح ہے نہ کہ پہلے پر، نہر۔ اور یہ گزر چکا ہے کہ اعضاءِ غسل ایک عضو کی طرح ہیں، تو اگر اُس سے پانی جُدا ہو کر اعضاءِ غسل پر گرا اور اُس نے وہ اُن پر جاری کر لیا تو دونوں اقوال کے مطابق صحیح ہوگا اھ ملتقطا، اور ہندیہ میں تاتارخانیہ سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر سرکہ سے یا گلاب کے عرق سے وضو کیا تو سب کے نزدیک مستعمل نہ ہوگا اھ۔ ت

تنبیہ قال فی المنیۃ بعد ما عرف المستعمل بماء ازیل بہ حدث او استعمل فی البدن علی وجہ القربۃ ما نصہ امرأۃ غسلت القدر او القصاع لا یصیر الماء مستعملا[۳] اھ۔

"تنبیہ منیہ میں ماءِ مستعمل کی تعریف میں کہا کہ" وہ پانی جس سے کوئی حَدَث زائل کیا گیا ہو یا بدن پر قربۃ کے طور پر استعمال کیا گیا ہو، پھر فرمایا کہ اگر کسی عورت نے ہانڈی یا بڑا پیالہ دھویا تو پانی مستعمل نہ ہوگا اھ۔ ت

---

[۱] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۷

[۲] ہندیۃ فیما لا یجوز بہ الوضو نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۳

[۳] غنیۃ المستملی فی النجاسۃ مکتبہ قادریہ لاہور ص ۱۰۸

اقول وھو کما تری مطلق یشمل ما اذا نوت بہ اقامۃ سنۃ لاجرم ان قال فی الغنیۃ قولہ فی البدن احتراز عما اذا استعمل فی غیرہ من ثوب ونحوہ بنیۃ القربۃ فانہ لایصیر مستعملا ویتفرع علی ماذکرنا امرأۃ غسلت القدر او القصاع[1] الخ لکن قال فی الحلیۃ اما القدر والقصاع ونحوھما من الاعیان الطاھرات کالبقول والثمار والثیاب والاحجار فلان الجمادات لایلحقہا حکم العبادۃ اما لونوت بذلک قربۃ بان غسلتھما من الطعام بقصد اقامۃ السنۃ کان ذلک الماء مستعملا[2] اھ

میں کہتا ہوں یہ مطلق ہے اس میں یہ صورت بھی شامل ہے جبکہ اُس عورت نے اس دھونے سے سنّت کی ادائیگی کا ارادہ کیا ہو، غنیہ میں کہا کہ اُن کا قول "فی البدن" اس صورت سے احتراز ہے جب کپڑے وغیرہ میں استعمال کیا ہو بہ نیت "قربۃ" تو وہ مستعمل نہ ہوگا، اور جو ہم نے ذکر کیا اُس پر یہ تفریع ہوگی کہ کسی عورت نے ہانڈی یا پیالے دھوئے الخ مگر حلیہ میں فرمایا "بہرحال ہانڈی پیالے وغیرہ یعنی پاک اشیاء جیسے سبزیاں پھل کپڑے، پتھر تو اس لیے کہ جمادات پر عبادات کا حکم جاری نہیں ہوتا ہے، اگر ان کے ساتھ قربت کا ارادہ کیا یعنی کھانا لگ جانے کے بعد ان کو بطور سنّت دھویا تو یہ پانی مستعمل ہوجائے گا اھ (ت)

اقول اوّلا فیہ بعد ولم یعزہ لاحد وقد قید فی مختصر القدوری والھدایۃ والمنیۃ وغیرھا الاستعمال لقربۃ بکونہ فی البدن واقر علیہ ھذا المحقق ومفاھیم الکتب حجۃ ولذا جعلہ فی الغنیۃ احترازا ومثلہ فی الجوھرۃ النیرۃ حیث قال قولہ فی البدن قید بہ لانہ ماکان من غسالۃ الجمادات کالقدور والقصاع والحجارۃ لایکون مستعملا[3] الخ وثانیا تراھم عن اخرھم یرسلون مسائل الاستعمال فی غیر

میں کہتا ہوں اوّلاً اس میں بُعد ہے، اس کو اُنہوں نے کسی کی طرف منسوب نہیں کیا ہے ہدایہ، مختصر قدوری اور منیہ وغیرہ میں قربت کے استعمال کو بدن میں ہونے کے ساتھ مقید کیا ہے، اور اس محقق نے اسے برقرار رکھا ہے اور کتابوں کے مفاہیم ہمارے لیے حجت ہیں، اور اس لیے غنیہ میں اس کو قید احترازی قرار دیا ہے، اسی کی مثل جوہرہ نیرہ میں ہے وہ فرماتے ہیں ان کا قول "فی البدن"، کیونکہ جمادات کا دھوون جیسے ہانڈیاں، پیالے، پتھر کا دھوون، مستعمل نہ ہوگا الخ

---

[1] غنیۃ المستملی فی النجاسۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۵۳
[2] حلیہ
[3] الجوہرۃ النیرۃ الطہارت امدادیہ ملتان ۱/۱۶

بدن الانسان ارسالا تاما غير جانحين الى تقييدها ف۱ بعدم نية القربة كمسألة غسل الدابة المذكورة في المبتغى والفتح والبحر والدر والتاترخانية وغيرها ومسألة الثوب ومسألة الاحجار ومسألة الثمار ومسألة القدور والقصاع هذه وغيرها فاطباقهم على اطلاقها يؤذن باتفاقهم على تقييدها ببدن الانسان فان كل ذلك يحتمل نية القربة كغسل ثوب ابويه من الوسخ والثمار من الغبار لاكلهما واحجار فرش المسجد للتنظيف الى غير ذلك فما من مباح الا ويمكن جعله قربة بنية محمودة كما ف۲ لا يخفى على عالم علم النيات وثالثا هذا ف۳ التقييد هو القضية للدليل الذي جعل به اقامة القربة مغيرا للماء عن وصف الطهورية اعني حمله الأثام من البدن المستعمل فيه في الهداية قال محمد رحمه الله تعالى لا يصير مستعملا الا باقامة القربة لان الاستعمال بانتقال نجاسة الأثام اليه وانها تزول بالقرب وابو يوسف رحمه الله تعالى يقول اسقاط الفرض مؤثر ايضا فيثبت الفساد بالامرين[۱] اھ وفي العناية التغير عندهما (اي تغير الماء وتدنسه عند الشيخين رضي الله تعالى عنهما) انما يكون بزوال نجاسة حكمية عن المحل

ثانیاً فقہا سب کے سب غیر انسان کے بدن میں استعمال کے مسائل کو مطلق رکھتے ہیں عدمِ نیتِ قربت کی قید نہیں لگاتے ہیں، جیسے گھوڑے کو غسل دینے کا مسئلہ جس کا ذکر مبتغی، فتح، بحر، دُر اور تتارخانیہ وغیرہ میں ہے اور کپڑے اور پتھروں کا مسئلہ ______ پھلوں کا مسئلہ، ہانڈیوں اور پیالوں کا مسئلہ وغیرہا تو اُن تمام فقہا کا ان کو مطلق رکھنے پر اتفاق کرلینا اس امر کی علامت ہے کہ وہ سب کے سب اس کو بدنِ انسانی کے ساتھ مقید کرنے پر متفق ہیں کیونکہ ان میں سے ہر ایک نیتِ قربت کا احتمال رکھتا ہے، جیسے اپنے والدین کے میلے کپڑوں کا دھونا، اور والدین کے کھلانے کے لیے پھلوں کا دھونا، اور مسجد کے فرش کا صفائی کے لیے دھونا وغیرہ تو ہر مباح کا نیتِ محمودہ سے قربت کرلینا ممکن ہے، اور نیتوں کا جاننے والا اسے خوب جانتا ہے۔

ثالثاً یہ قید لگانا ہی دلیل کا تقاضا ہے جس کی وجہ سے قربت کی ادائیگی کو پانی کے وصفِ طہوریت سے متغیر کردینے والا قرار دیا تھا، یعنی اُس کا بدن سے گناہوں کا دُور کردینا۔

ہدایہ میں ہے کہ امام محمد نے فرمایا پانی قربت کی ادائیگی سے ہی مستعمل ہوتا ہے کیونکہ استعمال کی وجہ گناہوں کا اُس کی طرف منتقل ہونا ہے، اور یہ چیز قربت کی ادائیگی سے ہی ہوتی ہے، اور امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ اسقاطِ فرض بھی اس میں مؤثر ہے تو

---

[۱] الهداية باب الماء الذي يجوز به الوضوء المكتبة العربية كراچی ۱/۲۲

وانتقالہا الی الماء وقد انتقلت الی الماء فی الحالین (ای حال اقامۃ القربۃ وحال اسقاط الواجب) کما تقدم من اعتبارہا بالنجاسۃ الحقیقیۃ فیثبت فساد الماء بالامرین جمیعا اھ[۱] موضحا ومثلہ فی البحر عن المحیط حیث قال تغیر الماء عند محمد باعتبار اقامۃ القربۃ بہ و عندہما باعتبار انہ تحول الیہ نجاسۃ حکمیۃ وفی الحالین تحول الی الماء نجاسۃ حکمیۃ فاوجب تغیرہ[۲] اھ وفی التبیین سببہ اقامۃ القربۃ او ازالۃ الحدث بہ عند ابی حنیفۃ وابی یوسف وعند محمد رضی اللہ تعالٰی عنہم اقامۃ القربۃ لاغیر والاول اصح لان الاستعمال بانتقال نجاسۃ الحدث او نجاسۃ الاٰثام الیہ[۳] اھ وقال فی الکافی سؤر الکلب نجس لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یغسل الاناء من ولوغ الکلب ثلثا لایقال جاز ان یؤمر بالغسل تعبدا کما امر المحدث بالوضوء لان الغسل تعبدا لم یشرع الا فی طہارۃ الصلاۃ فانہ یقع للہ تعالٰی عبادۃ والجمادات لایلحقہا حکم العبادات لانہا باعتبار نجاسۃ الاٰثام والجمادات لیست باھل لہا لایقال الحجر

دونوں صورتوں میں فساد ثابت ہوجائے گا اھ اور عنایہ میں ہے کہ تغیر اُن دونوں کے نزدیک (یعنی پانی کا بدلنا اور اُس کا میلا ہونا شیخین رضی اللہ عنہما کے نزدیک) نجاست حکمیہ کا محل سے زائل ہو کر پانی کی طرف منتقل ہونے کے باعث ہوگا، اور یہ نجاست دونوں صورتوں میں ہی پانی کی طرف منتقل ہوتی ہے (قربۃ کی ادائیگی اور اسقاط فرض دونوں صورتوں میں) جیسا کہ گزرا کہ اِس کو نجاست حقیقیہ پر قیاس کیا گیا ہے، تو پانی کا فساد دونوں صورتوں میں ثابت ہوجائے گا اھ اسی قسم کی بات بحر میں محیط سے منقول ہے، وہ فرماتے ہیں پانی کا تغیر امام محمد کے نزدیک اِس پر مبنی ہے کہ قربت اُس سے ادا کی گئی ہے، اور شیخین کے نزدیک اس لیے ہے کہ پانی کی طرف نجاست حکمیہ منتقل ہوئی ہے اور دونوں حالتوں ہی میں پانی کی طرف نجاست حکمیہ منتقل ہوتی ہے اس لیے پانی متغیر ہوجائے گا اھ اور تبیین میں ہے اِس کا سبب قربۃ کا قائم کرنا ہے اور اُس سے حدث کا زائل کرنا ہے یہ شیخین کے نزدیک ہے، اور امام محمد کے نزدیک صرف قربت کا ادا کرنا ہے، اور اول اصح ہے کیونکہ استعمال کا باعث یہ ہے کہ حدث کی نجاست اُس کی طرف منتقل ہوتی ہے یا گناہوں کی نجاست اس کی طرف منتقل ہوتی ہے اھ

اور کافی میں ہے کہ کُتّے کا جُھوٹا نجس ہے کیونکہ

۱؎ العنایۃ علی حاشیۃ فتح القدیر باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۷۸

۲؎ بحرالرائق بحث الماء المستعمل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۹۱

۳؎ تبیین الحقائق الماء المستعمل بولاق مصر ۱/ ۲۴

الذی استعمل فی رمی الجمار یغسل و یرمی ثانیا لاقامة القربة به لان الحجر آلة الرمی وقد تتغیر الآلة بنقل نجاسة الآثام الیها کمال الزکوٰة والماء المستعمل اھ باختصار۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس برتن کو کتّا چاٹ لے اس کو تین مرتبہ دھویا جائے۔"
اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ بھی تو جائز ہے کہ غسل کا حکم تعبُّداً دیا جائے جیسے بے وضو کو وضو کا حکم دیا گیا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ غسل تعبُّداً صرف نماز کی طہارت کے لیے مشروع ہوا ہے کیونکہ وہ اللہ کی عبادت ہے، اور جمادات کو عبادات کا حکم نہیں ہے، کیونکہ وہ گناہوں کی نجاست کی وجہ سے ہے، اور جمادات گناہوں کے اہل نہیں ہیں۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ وہ پتھر جو رمی جمرات میں استعمال ہوا ہو اس کو دھو کر دوبارہ اُسی سے قربت کی ادائیگی کیلئے رمی کی جائے تو کیا حکم ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ پتھر آلۂ رمی ہے اور آلہ اس کی طرف گناہوں کے منتقل ہونے کی وجہ سے متغیر ہو جاتا ہے جیسے زکوٰۃ کا مال اور مستعمل پانی اھ باختصار۔

اقول وبمباحثنا هذه ظهر ولله الحمد ان مطلق الوقایة والنقایة والکنز والغرر والاصلاح والملتقی والتنویر محمول علی مقید الکتاب والهدایة والغنیة ومما یؤیده اطباقهم علی اشتراط الانفصال عن العضو للحکم بالاستعمال وانما وقع المقال فی اشتراط القرار بعد الانفصال فشرطه بعض المشائخ وبه جزم فی الکنز مخالفا للکافیه[1] واختاره الامام فخر الاسلام وغیره فی شروح الجامع الصغیر وهو مذهب الامام ابی حفص الکبیر والامام ظهیر الدین المرغینانی و فی قال فی الخلاصة هو المختار ورجحه الاتقانی فی غایة البیان زاعما ان فی عدم اشتراطه حرجا کما بینه مع جوابه فی البحر والمذهب

الحمد للہ ہماری ان بحثوں سے معلوم ہوا کہ وقایہ، نقایہ، کنز، غرر، اصلاح، ملتقی اور تنویر کا اطلاق کتاب (قدوری) ہدایہ اور غنیہ کے مقید پر محمول ہے، اور اس کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ ان کا اتفاق ہے کہ پانی کا عضو سے جُدا ہونا اس کے مستعمل ہونے کیلیے شرط ہے۔ اختلاف صرف اس امر میں ہے کہ انفصال کے بعد قرار کی شرط ہے یا نہیں؟ تو بعض مشایخ نے اس کی شرط رکھی ہے اور اسی پر کنز میں جزم کیا ہے جو اسکی اپنی کافی کے خلاف ہے، اور اس کو امام فخر الاسلام نے جامع صغیر کی شروح میں مختار قرار دیا ہے، اور یہی ابو حفص کبیر اور امام ظہیر الدین مرغینانی کا مذہب ہے، اور خلاصہ میں اسی کو مختار قرار دیا ہے، اور غایۃ البیان میں علامہ اتقانی نے اس کو راجح قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس کو شرط نہ کرنے میں حرج ہے

---

[1] کافی

عندنا هو حكم الاستعمال بمجرد الانفصال و صححه فی الهداية وكثير من الكتب و اعتمده فی الكافی وضعف خلافه وعليه المحققون كما فی الفتح والعامة كما فی البحر بل فی المحيط ان القائل باشتراط الاستقرار الامام سفين الثوری رحمه الله تعالٰی دون اهل المذهب وقد تكفل فی الفتح والبحر برد ما تعلقوا به واشار اليه فی الدر و بالجملة المذكور فی كلام الفريقين هو الانفصال عن العضو المؤذن بان المراد استعماله فی البدن لا غير والله تعالٰی اعلم ورابعا محل نظر كون غسل الاوانی بالماء لمجرد اثر الطعام قربة مطلوبة بعينها بل المطلوب هو التنظيف وبما يحصل بلحس و بخرقة و بغيرهما، مطلق والاول اقرب الى التواضع والتادب باداب السنة فاخرج الامام عـه مسلم فی صحيحه عن جابر رضی الله تعالٰی عنه

جیسا کہ انہوں نے اس کو بیان کیا اور اس کا جواب بھی بحر میں دیا، اور ہمارے نزدیک پانی عضو سے جدا ہوتے ہی مستعمل ہوجاتا ہے، اسی کو ہدایہ میں صحیح قرار دیا ہے، اسی طرح بہت سی کتب میں اس کو صحیح کہا ہے، اور کافی میں اس پر اعتماد کیا ہے اور اس کے خلاف کو ضعیف قرار دیا ہے، اور اسی پر محققین ہیں جیسا کہ فتح میں اور عام کتب میں ہے کما فی البحر، بلکہ محیط میں ہے کہ استقرار کی شرط کے قائل امام سفیان ثوری ہیں، اہلِ مذہب نہیں ہیں اور فتح اور بحر میں ان کے دلائل کا رد کیا ہے اور دُر میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ فریقین کے کلام میں مذکور عضو سے منفصل ہونا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ مراد اس کا بدن ہی میں استعمال ہے فقط نہ کہ غیر میں، واللہ تعالٰی اعلم۔

رابعاً محلِ نظر یہ امر ہے کہ برتنوں کو محض اس لیے دھونا کہ ان پر کھانے کا اثر ہے یہی قربت مطلوبہ ہے بلکہ مطلوب صفائی ہے جو کبھی چاٹ کر کبھی کپڑے سے

عـه ترجمۂ احادیث (۱) صحیح مسلم میں جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انگلیاں اور رکابی چاٹنے کا حکم فرماتے اور ارشاد کرتے تمھیں کیا معلوم کھانے کے کس حصہ میں برکت ہے یعنی شاید اسی حصے میں ہو جو انگلیوں یا برتن میں لگا رہ گیا ہے۔

(۲) مسلم واحمد و ابوداؤد و ترمذی و نسائی نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں کھانا کھاکر پیالہ خوب صاف کر دینے کا حکم فرمایا کہ تم کیا جانو کہ تمھارے کون سے کھانے میں برکت ہے۔

(۳) احمد و ترمذی و ابن ماجہ نبیشۃ الخیر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی پیالے میں کھانا کھاکر زبان سے اُسے صاف کرے وہ پیالہ اُس کے لیے دعائے مغفرت کرے۔

(۴) امام حکیم ترمذی اسی مضمون میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی کہ فرمایا اور وہ برتن اس پر درود

(باقی اگلے صفحہ پر)

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم امر بلعق الاصابع[1] والصحفۃ وقال انکم لا تدرون فی ایہ البرکۃ ولہ کاحمد وابی داود والترمذی والنسائی عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم امرنا ان نسلت القصعۃ قال فانکم لا تدرون فی ای طعامکم البرکۃ[2] وللامام احمد والترمذی وابن ماجۃ عن نبیشۃ الخیر الھذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من اکل فی قصعۃ ثم لحسھا استغفرت لہ

اور کبھی مارِ مطلق کے غیر سے حاصل ہو جاتی ہے اور پہلا اقرب الی التواضع ہے اور اس میں اتباعِ سنت بھی ہے، چنانچہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت جابر سے روایت کی کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انگلیاں چاٹنے اور برتن چاٹنے کا حکم دیا اور فرمایا تم کو معلوم نہیں کہ کس چیز میں برکت ہوگی! امام مسلم، احمد، ابوداود، ترمذی اور نسائی نے حضرت انس سے مرفوعاً روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں برتن صاف کرنے کا حکم دیا ہے فرمایا تم کو پتا نہیں کہ تمہارے کھانے کے کس حصہ میں برکت ہے۔ امام احمد، ترمذی اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) بھیجے۔ دیلمی کی روایت میں ہے کہ فرمایا وہ پیالہ یوں کہے، الٰہی! اسے آتشِ دوزخ سے بچا جس طرح اس نے مجھ کو شیطان سے بچایا یعنی جو برتن سنا ہوا چھوڑ دیں تو شیطان اسے چاٹتا ہے۔

(۵) حاکم وابن حبان وبیہقی جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کھانا کر برتن نہ اٹھائے جب تک اسے خود نہ چاٹ لے یا (مثلاً کسی بچے یا خادم کو) چٹائے کہ کھانے کے پچھلے حصہ میں برکت ہے۔

(۶) مسند حسن بن سفیان میں والد را لطا رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا پیالہ چاٹ لینا مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ اس پیالے بھر کھانا تصدق کروں یعنی چاٹنے میں جو تواضع ہے اس کا ثواب اس تصدق کے ثواب سے زیادہ ہے۔

(۷) معجم کبیر میں عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جو رکابی اور اپنی انگلیاں چاٹے اللہ تعالٰی دنیا اور آخرت میں اس کا پیٹ بھرے یعنی دنیا میں فقر وفاقہ سے بچے قیامت کی بھوک سے محفوظ رہے دوزخ سے پناہ دیا جائے کہ دوزخ میں کسی کا پیٹ نہ بھرے گا اس میں وہ کھانا ہے کہ لا یسمن ولا یغنی من جوع نہ فربہی لائے نہ بھوک میں کچھ کام آئے والعیاذ باللہ۔

---

[1] صحیح لمسلم استحباب لعق الاصابع مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۱۷۵

[2] ایضاً ۱/۱۷۶

القصعة[۱] زاد الامام الحکیم الترمذی عن انس
رضی اللہ تعالٰی عنہ وصلت علیہ[۲] وزاد الدیلمی
عنہ فتقول اللھم اعتقہ من النار کما اعتقنی
من الشیطان[۳] والحاکم وابن حبان فی صحیحیہما
والبیھقی فی الشعب عن جابر بن عبداللہ رضی
اللہ تعالٰی عنہما فی حدیث یرفعہ الی رسول اللہ
صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لا یرفع القصعة حتی
یلعقہا او یُلعقہا فان فی اٰخر الطعام البرکة[۴] و
للحسن بن سفین عن رائطة عن ابیہا رضی اللہ
تعالٰی عنہا عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ
وسلم لان العق القصعة احب الی من ان
اتصدق بمثلہا طعاما[۵] وللطبرانی فی الکبیر عن
العرباض بن ساریة رضی اللہ تعالٰی عنہ
عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من لعق
الصحفة ولعق اصابعہ اشبعہ اللہ تعالٰی
فی الدنیا والاٰخرة[۶] وخصوص الغسل بالماء من
الامور العادیة الشائعة بین المؤمنین والکفار
فاذا نوی[۱۲] سنة التنظیف ای[ع] التنظیف لانہ سنة

ابن ماجہ نے نبیشۃ الخیر الہذلی سے روایت کی کہ حضور
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی پیالہ میں
کھایا پھر اس کو چاٹا تو وہ پیالہ اس کے لیے استغفار
کرے گا۔ امام حکیم ترمذی نے حضرت انس سے یہ لفظ
نقل کئے "اور وہ برتن اس کے لیے دعا کرے گا" اور
دیلمی نے اُن سے روایت کی کہ وہ پیالہ کہے گا یا اللہ اس کو
نارِ جہنم سے آزاد فرما جس طرح اس نے مجھ کو شیطان سے
چھٹکارا دلایا ہے، حاکم اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں
اور بیہقی نے شعب میں جابر بن عبداللہ سے مرفوعاً
روایت کیا، آپ نے فرمایا کہ پیالہ کو نہ اٹھائے تاوقتیکہ
اس کو خود چاٹ لے یا دوسرے کو چاٹنے دے، کیونکہ کھانے
کے آخر میں برکت ہے۔ اور حسن بن سفیان رائطہ سے
وہ اپنے باپ سے وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے
روایت کرتے ہیں کہ میرے نزدیک پیالہ کا چاٹ لینا
اس کی مقدار میں کھانے کے صدقہ کرنے سے افضل ہے،
اور طبرانی نے کبیر میں عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے
مروی ہے کہ جس نے پلیٹ کو چاٹا اور انگلیوں کو چاٹا اللہ
اس کو دنیا اور آخرت میں شکم سیر فرمائے گا۔ اور پانی کے

ع یرید ان الاضافة بیانیة لا لامیة لیصیر الغسل سنة فی ھذا التنظیف بل المعنی نوی سنة ھو التنظیف ای نوی التنظیف لکونہ سنة اھ منہ (م)

ع اضافت بیانیہ مراد ہے لامیہ نہیں تاکہ اس تنظیف میں دھونا سنّت بن جائے بلکہ معنی یہ ہے کہ سنّت کی نیت کی، اور وہ تنظیف ہے یعنی تنظیف کی نیت کی کیونکہ وہ سنّت ہے اھ (ت)

---

۱ مسند احمد بن حنبل عن نبیشۃ، بیروت ۷۶/۵
۲ کنز العمال، آداب الاکل، مکتبۃ التراث حلب ۲۵۳/۱۵
۳ کنز العمال، آداب الاکل، مکتبۃ التراث حلب ۲۵۳/۱۵
۴ صحیح ابن حبان، " اثریہ سانگلہ ہل ۳۳۵/۸
۵ کنز العمال، " " " ۲۷/۵
۶ مجمع الزوائد، باب لعق الصحفۃ والاصابع، بیروت ۲۷/۵

ادخله بنيته تحت عام محمود فكان كمتوضئ توضأ للتعليم۔

ساتھ دھونے کی خصوصیت ایک عادی امر ہے، اس میں مومن وکافر کا بھی فرق نہیں، اب اگر اس نے تنظیف سے سنت کی نیت کی تو اس نے اس کو اپنی نیت سے ایک محمود عام کے تحت داخل کیا تو یہ اس شخص کی طرح ہوگا جس نے تعلیم کے لیے وضو کیا۔

ثم **اقول** تحقیق المقام علی ما علمنی الملك العلام ان ليس كل ما جعل قربة مغيرا للماء عن الطهورية بل يجب ان يكون الفعل المخصوص الذی يحصل بالماء اولا وبالذات قربة مطلوبة فی الشرع بخصوصه ومرجعه الی ان تكون القربة المطلوبة عينا لا تقوم الا بالماء اذ لو جاز ان تحصل بدونه لكان لتحققها موارد منها ما يحصل بالماء ومنها غيره فما يحصل بالماء اولا وبالذات لا يكون مطلوبا بعينه بل محصلا لمطلوب بعينه فيتحصل ان يكون نفس انفاق الماء فی ذلك الفعل مطلوبا فی الشرع عينا اذ المطلوب عينا لما لم يحصل الا به كان ايضا مطلوبا عينا كالمضمضة والاستنشاق فی الوضوء والتثليث فيه وفی الغسل ولو لميت ولعلك تظن ان هذه فائدة لم تعرف الا من قبل العلامة صاحب البحر وتبعه عليه اخوه فی النهر۔
اقول كلا بل المسألة اعنی وضوء المتوضئ للتعليم منصوص عليها فی المبتغی والفتح وغيرهما من كتب المذهب وقد نص فی الدر انها متفق عليها ولا شك انها صريحة

اللہ تعالٰی کے فضل وکرم سے اس مقام کی جو تحقیق میری سمجھ میں آئی ہے وہ یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو قربۃ ہے وہ پانی کو طہوریۃ سے بدلنے والی نہیں ہے بلکہ ضروری ہے کہ وہ مخصوص فعل جو پانی سے ادا کیا جا رہا ہے وہ اولاً وبالذات شریعت کی نگاہ میں قربۃ مطلوبہ ہو، اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قربۃ مطلوبہ ایک ایسا عین ہو جو پانی کے ساتھ ہی قائم ہو کیونکہ اگر اس کے بغیر وہ قربۃ حاصل ہوجائے تو اس کے وجود کے کئی موارد ہوں گے کچھ تو پانی سے حاصل ہوں گے اور کچھ بغیر پانی کے حاصل ہوں گے تو جو چیز پانی سے اولاً وبالذات حاصل ہو تو وہ بعینہٖ مطلوب نہ ہوگی بلکہ بعینہٖ مطلوب کو حاصل کرنے والی ہوگی اس کا حاصل یہ ہوگا کہ محض پانی کا اس فعل میں صرف کرنا شرعاً مطلوب بعینہٖ ہو کیونکہ مطلوب بعینہٖ جب اس پر موقوف ہے تو یہ بھی مطلوب بعینہٖ ہوجائیگا جیسے کلّی، ناک میں پانی کا ڈالنا وضوء میں اور تثلیث وضوء وغسل میں اگرچہ میّت کے غسل میں ہو، اور شاید ہمارے قارئین کو یہ خیال گزرے کہ یہ فائدہ تو صاحب بحر اور ان کے بھائی صاحب نہر کے کلام ہی سے معلوم ہوا ہے تو میں کہتا ہوں یہ بات نہیں ہے بلکہ تعلیم کے لیے وضو کرنے کا مسئلہ مبتغی اور فتح وغیرہ کتب مذہب میں منصوص ہے اور دُر میں تصریح

فی تلک الافادة فان التعلیم قربة مطلوبة قطعا وقد نواہ بھذا التوضی وھو فی ھذا الخصوص ایضا متبع للسنة الماضیة ان البیان بالفعل اقوی من البیان بالقول ومع ذلك اجمعوا انه لا یصیر مستعملا فکان اجماعا ان لیس کل قربة تغیر الماء بل التی لاتقوم الا بالماء اذ لافارق فی التوضی بنیة التعلیم وبنیة الوضوء علی الوضوء الا ھذا ثم لابد ان تکون التی تتوقف علی الماء قربة مطلوبة بعینھا والا لعاد الفرق ضائعا اذ لا شك ان الوضوء للتعلیم محصل لقربة مطلوبة شرعا فیکون قربة وھو لا یقوم الا بالماء لکن الشرع لم یطلبه عینا انما طلب التعلیم وھو لا یتوقف علی انفاق الماء فاستقر عرش التحقیق علی ما افاد البحر وظھر ان الصواب فی فرع القدور والقصاع مع الغنیة فلذا عولنا علیه۔

کی ہے کہ یہ متفق علیہا ہے، اور اس میں شک نہیں کہ وہ اِس فائدہ میں صریح ہے، کیونکہ تعلیم قطعی طور پر قُربۃ ہے اور اس وضو سے اُس نے اُسی کی نیت کی ہے اور وُہ اِس خصوص میں گزشتہ سنت کی پیروی کرنے والا ہے کہ فعل کے ذریعہ بیان قول کے ذریعہ بیان سے اقوٰی ہوتا ہے، باوجود اس کے اُن کا اس امر پر اتفاق ہے کہ پانی مستعمل نہ ہوگا، تو یہ اجماع ہوگیا اِس امر پر کہ ہر قربۃ پانی کو متغیر نہیں کرتی ہے بلکہ صرف وُہ قربت کرتی ہے جو پانی کے ساتھ ہی قایم ہو کیونکہ بہ نیت تعلیم وضو کرنے اور وضو بر وضو کی نیت میں فرق کرنے والی یہی چیز ہے۔ پھر جس قربت کا پانی پر موقوف ہونا لازم ہے وہ لبعینہا مطلوب ہو ورنہ فرق ضائع ہو جائے گا کیونکہ تعلیم کے لیے کیا جانے والا وضو شرعی قربت کو حاصل کرنے والا ہے تو یہ قربت ہوگا، اور وضو صرف پانی سے ہی ہوتا ہے لیکن شریعت میں وہ لبعینہٖ مطلوب نہیں ہے وہ تعلیم کے لیے مطلوب ہے اور تعلیم پانی خرچ کرنے پر موقوف نہیں ہے تو تحقیق وہی درست ہے جو بحر میں ہے اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ ہانڈیوں اور پیالوں کے مسائل متفرعہ میں حق وُہ ہے جو غنیہ میں ہے لہذا ہم نے اسی پر اعتماد کیا۔ (ت)

اقول ومما یؤیدہ اطلاقھم قاطبة (ف۱) مسألة التوضی والاغتسال للتبرد (ف۲) مع ان التبرد ربما یکون لجمع الخاطر للعبادة والتقوی علی مطالعة کتب العلم وھو لا شك اذن من القرب فکل مباح فعله العبد المؤمن بنیة خیر خیر غیر انه لم یطلب عینا فی الشرع

پھر اس کی تائید تمام فقہاء کے اِس اطلاق سے ملتی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ وضو اور غسل ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے کرنا، حالانکہ ٹھنڈک حاصل کرنا کبھی اِس غرض سے بھی ہوتا ہے کہ انسان عبادت میں پُرسکون رہے یا مطالعہ اطمینان سے کرسکے اور بلاشبہ اس صورت میں یہ عبادت ہوگا کیونکہ

وان ساغ ان یصیر وسیلة الی مطلوب واعظم ف۱ ف۲ منه مسألة الاغتسال لازالة الدرن فھو مطلوب عینا فی الشرع فانما بنی الدین علی النظافة وقد کانت ھذہ حکمة الامر بالاغتسال یوم الجمعة کما افصحت به الاحادیث بید ان ازالة الوسخ لایتوقف علی الماء فلم یکن مما طلب فیه الشرع انفاق الماء عینا بخلاف ف۳ غسل الجمعة والعیدین وعرفة والاحرام فان من اغتسل فیھا بماء ثمر او نبیذ تمر مثلا لم یکن اٰتیا بالسنة قطعا وان ازال به الوسخ ف۴ والدرن وذلك ان الحکم یکون لحکمة ولکن العباد مامورون باتباع الحکم دون الحکمة کما قد عرفت فی موضعه وھنالك تم الرد علی مسألة القصعة والقدر وتبین وللّٰه الحمد ان المراد بالقربة ھھنا ھی المتعلقة بظاھر بدن الانسان مما اداراالشرع فیه اقامة نفس القربة المطلوبة ولو ندبا علی امساس الماء عینا ولو مسحا ببشرة بشر ولو میتا فزال الابھام واتضح المرام وظھرت فی الفروع کلھا الاحکام والحمد للّٰه ولی الانعام والاٰن عسی ان تقوم تقول ان الامر الی ان الماء انما یصیر مستعملا اذا انفق فیما کان انفاقه فیه مطلوبا فی الشرع عینا فما الفارق فیه وفیما اذا انفق فی قربة مطلوبة شرعا من دون توقف علی الماء خصوصا کیف

ہر مباح جو انسان خیر کی نیت سے کرے خیر ہے، البتہ وہ بعینہٖ مطلوب شرع نہیں، اگرچہ مطلوب کا وسیلہ بن سکتا ہے اس سے بڑی بات غسل کا مسئلہ ہے میل دور کرنے کیلئے یہ بعینہٖ مطلوب شرع ہے دین کی بنیاد ہی نظافت پر ہے اور جمعہ کے دن غسل کے حکم کی حکمت یہی ہے، جیسا کہ احادیث میں مذکور ہے کہ البتہ میل کا زائل کرنا پانی پر ہی موقوف نہیں، لہٰذا پانی کا خرچ کرنا بعینہٖ مطلوب شرع نہ ہُوا، اور جمعہ، عیدین، وقوف بعرفہ، اور احرام کا غسل شرعاً مطلوب ہے، ان غسلوں کو اگر کسی نے پھلوں کے عرق یا شیرۂ کھجور سے کیا تو قطعی طور پر سنّت کی اتباع نہ ہوگی، خواہ اس سے میل مکمل زائل ہو جائے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حکم کسی نہ کسی حکمت پر مبنی ہوتا ہے، لیکن بندوں پر حکم کی پابندی ہے نہ کہ حکمت کی۔ یہ بات اپنے مقام پر مذکور ہے یہاں تک پیالہ اور ہانڈی کے مسئلہ پر رد مکمل ہُوا، اور الحمد للہ یہ بات واضح ہوگئی کہ قربت سے مراد اس مقام پر وُہ قربت ہے جس کا تعلق ظاہر بدن سے ہو جس میں شریعت نے قربت مطلوب، خواہ ندباً ہی ہو، کا دار و مدار اس پر کیا ہے کہ انسان، خواہ مردہ ہی ہو، کی جلد پر بعینہٖ پانی لگے، خواہ بطور مسح ہی ہو، اس سے ہمارا مقصود واضح ہوا اور مسئلہ کے فروع و احکام ظاہر ہوئے الحمد للہ ولی الانعام۔

اب اس مقام پر ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ مستعمل پانی وُہ ہوتا ہے جو کسی ایسے عمل میں خرچ

وانما المغیر تحول نجاسة حکمیة ومنھا نجاسة الاٰثام وھی تزول کلا او بعضا بکل قربة لعموم قولہ تعالٰی ان الحسنات یذھبن السیاٰت ذٰلک ذکری للذاکرین[1]

ہوا ہو کہ جس میں اس کا خرچ کیا جانا بعینہٖ مطلوب شرع ہو تو اس صورت میں اور جب پانی ایسی قربۃ میں خرچ کیا گیا ہو جو شرعاً مطلوب تو ہو مگر پانی پر موقوف نہ ہو کیا فرق ہوگا؟ جبکہ پانی میں تغیر پیدا کرنے والی چیز اس کی طرف نجاست حکمیہ کا آنا ہے اور گناہوں کی نجاست بھی نجاست حکمیہ ہی ہے، جو کُلاً یا بعضاً ہر قربت سے دُھل جاتی ہے جیسا کہ فرمانِ الٰہی "ان الحسنت یذھبن السیئٰت" "نیکیاں برائیوں کو ختم کردیتی ہے یہ ذاکرین کے لیے نصیحت ہے) کے عموم کا تقاضا ہے۔ (ت)

اقول نعم ولوجہ اللہ الحمد ابدا تزول الاٰثام باذن اللہ بکل قربة رحمة منہ جلت اٰلاؤہ بھذہ الامة المبارکة المرحومة دنیا واخری بنبیھا الکریم الروٴف الرحیم المرسل رحمة والمبعوث نعمة افضل صلوات ربہ واجمل تسلیماتہ وازکی برکاتہ وادوم تحیاتہ علیہ وعلی الہ وصحبہ وامتہ ابدا ولکن الزوال بقربة لایوجب التحول الی اٰلتھا التی اقیمت بھا وما علمنا ذٰلک الافی اٰلة عینھا الشرع کالمال فی الزکوة والماء فی الطھر لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی الصدقات انما ھی اوساخ الناس[2] رواہ احمد ومسلم عن عبد المطلب بن ربیعة رضی اللہ تعالٰی عنہ وقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من توضأ فاحسن الوضوء خرجت خطایاہ من جسدہ حتی تخرج من تحت اظفارہ[3] رواہ الشیخان

میں کہتا ہوں ہاں یہ درست ہے گناہ ہر عبادت سے اللہ کی رحمت سے زائل ہوجاتے ہیں..... مگر گناہوں کا کسی قربت کی وجہ سے زائل ہونا اس امر کا متقاضی نہیں کہ وہ آلہ تطہیر کی طرف منتقل ہوجائیں، یہ بات صرف اسی آلہ میں ہے جس کو شریعت نے متعین کیا ہو جیسے زکوٰۃ میں مال اور طہارت میں پانی، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ زکاۃ لوگوں کا میل کچیل ہے' اس کو احمد و مسلم نے عبد المطلب بن ربیعہ سے روایت کیا اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے اچھی طرح وضو کیا تو گناہ اُس کے جسم سے نکلیں گے یہاں تک کہ اُس کے ناخنوں کے نیچے سے نکلیں گے، اس کو شیخین نے امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا'، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب مسلم یا مومن بندہ وضو میں اپنا چہرہ دھوتا ہے تو اُس کے چہرہ سے ہر گناہ نکل جاتا ہے جس کی طرف اس نے اپنی دونوں

---

[1] القرآن ۱۱/۱۱۴

[2] صحیح مسلم تحریم الزکوٰۃ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۴۵

[3] صحیح مسلم خروج الخطایا مع ماء الوضوء " ۱/۱۲۵

عن امیر المومنین عثمٰن رضی اللہ تعالٰی عنہ و
قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا توضأ العبد المسلم
او المؤمن فغسل وجہہ خرج من وجہہ کل خطیئۃ
نظر الیہا بعینیہ مع الماء او مع اٰخر قطر الماء
فاذا غسل یدیہ خرج من یدیہ کل خطیئۃ
کان بطشتہا یداہ مع الماء او مع اٰخر قطر الماء
فاذا غسل رجلیہ خرج کل خطیئۃ مشتہا رجلاہ
مع الماء او مع اٰخر قطر الماء حتی یخرج نقیا من
الذنوب[1] رواہ مسلم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ
تعالٰی عنہ والاحادیث کثیر شہیر فی ھذا المعنی
واصحاب المشاھدۃ الحقۃ اعاد اللہ علینا
من برکاتہم فی الدنیا والاٰخرۃ یشاھدون
ماء الوضوء یخرج من اعضاء الناس متلوثا
بالاٰثام متلونا بالوانہا البشعۃ وعن ھذا
حکم امام اھل الشھود ابو حنیفۃ رضی اللہ
تعالٰی عنہ ان الماء المستعمل نجاسۃ مغلظۃ
لانہ کان یراہ متلطخا بتلک القاذورات فما
کان یسعہ الا الحکم بھذا وکیف یرد الانسان
امرا یراہ بالعیان قال الامام العارف باللہ سیدی
عبد الوھاب الشعرانی قدس سرہ الربانی و
کان من کبار العلماء الشافعیۃ فی میزان
الشریعۃ الکبرٰی سمعت سیدی علیا الخواص
رضی اللہ تعالٰی عنہ (وکان ایضا شافعیا کما
سیاتی) یقول مدارک الامام ابی حنیفۃ رضی
اللہ تعالٰی عنہ دقیقۃ لا یکاد یطلع علیہا الا

آنکھوں سے دیکھا ہو پانی کے ساتھ یا آخری قطرہ کے ساتھ،
جب وہ اپنے دونوں ہاتھ دھوتا ہے تو جو گناہ اس نے
اپنے ہاتھوں سے کئے وہ پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری
قطرہ کے ساتھ نکل جاتے ہیں اور جب وہ اپنے
پیر دھوتا ہے تو اُس کے پیروں کے گناہ پانی کے ساتھ یا پانی
کے آخری قطرہ کے ساتھ نکل جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ
گناہوں سے پاک وصاف ہوجاتا ہے۔ اس کو مسلم نے
ابوہریرہ سے روایت کیا، اور اس مفہوم کی احادیث
بکثرت مشہور و معروف ہیں، اور اصحاب مشاہدہ اپنی
آنکھوں سے وضو کے پانی سے لوگوں کے گناہوں کو دھلتا
ہوا دیکھتے ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ اہلِ شہود کے امام
ابوحنیفہ نے فرمایا کہ مستعمل پانی نجاستِ مغلظہ ہے
کیونکہ وہ اس پانی کو گندگیوں میں ملوث دیکھتے تھے،
تو ظاہر ہے کہ وہ دیکھتے ہوئے، اس کے علاوہ اور کیا
حکم لگا سکتے تھے۔

امام شعرانی نے میزان الشریعۃ الکبرٰی میں فرمایا
کہ میں نے سیدی علی الخواص (جو بڑے شافعی عالم تھے) کو فرماتے
سُنا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے مشاہدات اتنے دقیق ہیں
جن پر بڑے بڑے صاحبانِ کشف اولیاء اللہ ہی مطلع ہوسکتے
ہیں، فرماتے ہیں امام ابوحنیفہ جب وضو میں استعمال شدہ
پانی دیکھتے تو اس میں جتنے صغائر و کبائر مکروہات ہوتے
ان کو پہچان لیتے تھے، اس لیے جس پانی کو مکلف نے
استعمال کیا ہو اس کے تین درجات آپ نے مقرر فرمائے:
اول: وہ نجاست مغلظہ ہے کیونکہ اس امر کا احتمال
ہے کہ مکلف نے گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کیا ہو۔

[1] صحیح لمسلم خروج الخطاء مع ماء الوضو قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۲۵

اهل الکشف من اکابر الاولیاء قال وکان الامام
ابو حنیفة اذا رأى ماء المیضأة یعرف سائر
الذنوب التی خرت فیه من کبائر وصغائر ومکروهات
فلهذا جعل ماء الطهارة اذا تطهر به المکلف
له ثلثة احوال احدها انه کالنجاسة المغلظة
لاحتمال ان یکون المکلف ارتکب کبیرة الثانی
کالنجاسة المتوسطة لاحتمال ان یکون ارتکب
صغیرة الثالث طاهر غیر مطهر لاحتمال ان
یکون ارتکب مکروها[1] وفهم جماعة من مقلدیه
ان هذه الثلثة اقوال فی حال واحد والحال
انها فی احوال بحسب حصر الذنوب فی ثلثة
اقسام کما ذکرنا اه وفیه ایضا رضی الله عن
الامام ابی حنیفة ورحم اصحابه حیث قسموا النجاسة
الی مغلظة ومخففة لان المعاصی لا تخرج عن
کونها کبائر او صغائر[2] وسمعت سیدی علیا الخواص
رحمه الله تعالٰی لو کشف للعبد لرأى الماء الذی
یتطهر منه الناس فی غایة القذارة والنتن
فکانت نفسه لا تطیب باستعماله کما لا تطیب
باستعمال ماء قلیل مات فیه کلب او هرة قلت
له فاذن کان الامام ابو حنیفة وابو یوسف
من اهل الکشف حیث قالا بنجاسة الماء
المستعمل قال نعم کان ابو حنیفة وصاحبه

دوم: نجاست متوسطہ، اس لیے کہ احتمال
ہے کہ مکلف نے صغیرہ کا ارتکاب کیا ہو۔
سوم: طاہر غیر مطہّر، کیونکہ احتمال ہے کہ اس
نے مکروہ کا ارتکاب کیا ہو،
ان کے بعض مقلدین سمجھ بیٹھے کہ یہ ابوحنیفہ کے تین
اقوال ہیں ایک ہی حالت میں، حالانکہ امرِ واقعہ یہ ہے
کہ یہ تین اقوال گناہوں کی اقسام کے اعتبار سے ہیں جیسا کہ ہم نے ذکر کیا[1]
اور اسی کتاب میں ہے کہ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب
نے نجاست کو مغلظہ اور مخففہ میں تقسیم کیا ہے، کیونکہ
معاصی، کبائر ہوں گے یا صغائر۔
اور میں نے سیدی علی الخواص کو فرماتے سنا
کہ اگر انسان پر کشف ہو جائے وہ طہارت میں استعمال
کیے جانے والے پانی کو انتہائی گندہ اور بدبودار دیکھے گا
اور وہ اس پانی کو اسی طرح استعمال نہ کر سکے گا جیسے
اُس پانی کو استعمال نہیں کرتا ہے جس میں کتا یا بلی مر گئی ہو
میں نے اُن سے کہا اس سے معلوم ہوا کہ ابوحنیفہ اور
ابو یوسف اہلِ کشف سے تھے کیونکہ یہ مستعمل کی نجاست
کے قائل تھے، تو انہوں نے کہا جی ہاں۔ ابوحنیفہ اور
ان کے صاحب بڑے اہلِ کشف تھے، جب وہ اُس پانی
کو دیکھتے جس کو لوگوں نے وضو میں استعمال کیا ہوتا تو
وہ پانی میں گرتے ہوئے گناہوں کو پہچان لیتے تھے
اور کبائر کے دھوون کو صغائر کے دھوون سے الگ

[1] المیزان الکبرٰی کتاب الطہارۃ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۰۹
[2] ایضاً ۱/ ۱۰۸

من اعظم اھل الکشف فکان اذا رأی الماء الذی
یتوضأ منہ الناس یعرف اعیان تلک الخطایا
التی خرت فی الماء ویمیز غسالۃ الکبائر عن
الصغائر والصغائر عن المکروھات والمکروھات
عن خلاف الاولی کالامور المجسدۃ حسا علی حد
سواء قال وقد بلغنا انہ دخل مطھرۃ جامع
الکوفۃ فرأی شابا یتوضأ فنظر فی الماء المتقاطر
منہ فقال یا ولدی تب عن عقوق الوالدین
فقال تبت الی اللہ عن ذلک وراٰی غسالۃ شخص
اخر فقال لہ یا اخی تب من الزنا فقال تبت و
رأی غسالۃ اخر فقال تب من شرب الخمر
وسماع اٰلات اللھو فقال تبت اھ وفیہ ایضا
رحم اللہ تعالٰی مقلدی الامام ابی حنیفۃ
رضی اللہ تعالٰی عنہ حیث منعوا الطھارۃ
من ماء المطاھر التی لم تستبحر لما یخر فیھا
من خطایا المتوضئین وامروا اتباعھم بالوضوء
من الانھار او الاٰبار او البرک الکبیرۃ وکان
سیدی علی الخواص رحمہ اللہ تعالٰی مع
کونہ شافعیا لا یتوضأ من مطاھر المساجد فی
اکثر اوقاتہ ویقول ان ماء ھذہ المطاھر لا
ینعش جسد امثالنا لتقذرھا بالخطایا التی خرت
فیھا وکان یمیز بین غسالات الذنوب ویعرف
غسالۃ الحرام من المکروہ من خلاف الاولی

ممتاز کرسکتے تھے، اور صغائر کے دھوون کو مکروہات سے
اور مکروہات کے دھوون کو خلافِ اولٰی سے ممتاز کرسکتے
تھے اسی طرح جیسے محسوس اشیا ایک دوسرے سے
الگ ممتاز ہوا کرتی ہیں، فرمایا کہ ہمیں یہ روایت پہنچی ہے
کہ ایک مرتبہ آپ جامع کوفہ کے طہارت خانہ میں داخل
ہوئے، تو دیکھا کہ ایک جوان وضو کر رہا ہے، اور پانی کے
قطرات اس سے ٹپک رہے ہیں تو فرمایا اے میرے
بیٹے! والدین کی نافرمانی سے توبہ کر۔ اس نے فوراً
کہا میں نے توبہ کی۔ ایک دوسرے شخص کے پانی کے
قطرات دیکھے تو فرمایا اے میرے بھائی! زنا سے توبہ کر۔
اس نے کہا میں نے توبہ کی۔ ایک اور شخص کے وضو کا پانی
گرتا ہوا دیکھا تو اس سے فرمایا شراب نوشی اور فحش
گانے بجانے سے توبہ کر۔ اس نے کہا میں نے توبہ کی اھ اسی میں
حضرت امام ابوحنیفہ کے بعض مقلدین سے مروی ہے کہ
انہوں نے ان وضو خانوں کے پانی سے وضو کو منع کیا ہے
جن میں پانی جاری نہ ہو کیونکہ اس میں وضو کرنے والوں
کے گناہ بہتے ہیں، اور انھوں نے حکم دیا کہ وہ نہروں کنووں
اور بڑے حوضوں کے پانی سے وضو کریں۔ اور سیدی علی
الخواص باوجود شافعی المذہب ہونے کے مساجد کے
طہارت خانوں میں اکثر اوقات وضو نہیں کرتے تھے
اور فرماتے تھے کہ یہ پانی ہم جیسے لوگوں کے جسموں کو صاف
نہیں کرتا ہے کیونکہ یہ ان گناہوں سے آلودہ ہے جو
اس میں مل گئے ہیں، اور وہ گناہوں کے دھوون میں

ـه المیزان الکبرٰی الطہارۃ مصطفٰی البابی مصر ۱/۱۰۹

5/5

ودخلت معه مرة میضأۃ المدرسة الازهریة فاراد ان یستنجی من المغطس فنظر ورجع فقلت لم قال رایت فیه غسالة ذنب کبیر غیرته فی هذا الوقت وکنت انا رأیت الذی دخل قبل الشیخ وخرج فتبعته واخبرته الخبر فقال صدق الشیخ قد وقعت فی زنا ثم جاء الی الشیخ وتاب هذا امر شاهدته من الشیخ اھ کله ملتقطا[1] و سقته ھھنا لجلیل فائدته وجلیل عائدته ولیس ما عینته انت اٰلة لقربة فی معنی ما عینه الشارع فلا یلتحق۔

یہ فرق بھی کرلیتے تھے کہ یہ حرام کا ہے یا مکروہ کا یا خلافِ اولیٰ کا، اور ایک دن میں ان کے ساتھ مدرسۃ الازہر کے وضوخانہ میں داخل ہوا تو انہوں نے ارادہ کیا کہ حوض سے استنجا کریں، تو اس کو دیکھ کر لوٹ آئے میں نے دریافت کیا کیوں؟ تو فرمایا کہ میں نے اس میں ایک گناہِ کبیرہ کا دھوون دیکھا ہے جس نے اس کو متغیر کردیا ہے، اور میں نے اُس شخص کو بھی دیکھا تھا جو حضرت شیخ سے قبل وضوخانہ میں داخل ہوا تھا، پھر میں اُس کے پیچھے پیچھے گیا اور اُس کو حضرت شیخ نے جو کہا تھا اس کی خبر دی، اُس نے تصدیق کی اور کہا کہ مجھ سے زنا واقع ہوا، اور حضرت شیخ کے ہاتھ پر آکر تائب ہُوا۔ یہ میرا اپنا مشاہدہ ہے اھ یہ سب ماخوذ ہے اس کے عظیم فائدہ کے لیے میں نے اس کو ذکر کیا ہے، اور جس کو آپ نے قربت کا آلہ قرار دیا ہے وہ اُس معنی میں نہیں ہے جس کو شارع نے معین کیا ہے تو یہ اس کے ساتھ لاحق نہ کیا جائے۔ ت

اقول بل الدلیل ناهض علی عدم الالتحاق الاتری ان ارواء الظمأن قربة مطلوبة قطعا وقد ورد فیه خصوصا انه محاء للذنوب اخرج الخطیب عن انس بن مالك رضی الله تعالی عنه عن النبی صلی الله تعالی علیه وسلم اذا کثرت ذنوبك فاسق الماء علی الماء تتناثر کما یتناثر الورق من الشجر فی الریح العاصف[2] اھ فاذا استقیت له الماء من بئر او سکبت من اناء واعطیته ایاہ فقد اقمت به قربة

میں کہتا ہُوں بلکہ دلیل عدمِ التحاق پر قائم ہے کیا یہ نہیں کہ پیاسے کو سیراب کرنا قربۃ مطلوبہ ہے، اور اِس بارے میں بطورِ خاص وارد ہوا کہ یہ گناہوں کا مٹانے والا ہے۔

خطیب انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب تیرے گناہ زیادہ ہوجائیں تو تُو پانی پر پانی پلا تو تیرے گناہ اس طرح جھڑ جائیں گے جس طرح تیز ہوا سے پیڑ کے پتّے جھڑجاتے ہیں اھ تو جب تُو نے اس کو

---

[1] المیزان الکبرٰی کتاب الطہارۃ مصطفی البابی مصر ۱/۱۱۰

[2] تاریخ بغداد عن انس بیروت ۶/۴۰۳

فلو تحولت نجاسة الأثام الیہ لصار نجسا حراما شربه عند الامام وقذرا بالاجماع مکروه الشرب فیعود الاحسان اساءة والقربة علی نفسها بالنقض وهو باطل اجماعا فما ذلك الا لان الشرع انما طلب منك ان تھییٔ له ما یرویه ولم یعین له الماء بخصوصه بحیث لایجزئ غیره بل لو سقیته لبنا خالصا او ممزوجا بماء او ماء الورد او جلابا بثلج ولوزوماء الکاذی و امثال ذلك لکان اجد واجود واتمت القربة و ازید والله یحب المحسنین وقد اشتد تشییدا بھذا ارکان ما نحونا الیه فی مسألة القدور والقصاع ھذا کله ما ظهر لی وارجو ان قد زھر الامر وزال القناع والحمد للہ رب العلمین۔

کنوئیں کے پانی سے سیراب کیا یا کسی برتن سے انڈیلا اور اسکو دیا تو تو نے اس کے ساتھ قربت کو قائم کیا، تو اگر گناہوں کی نجاست اس کی طرف منتقل ہو جائے تو وہ نجس ہوگا اور امام کے نزدیک اس کا پینا حرام ہوگا اور بالاجماع گندا ہوگا اور اس کا پینا مکروہ ہوگا تو احسان گناہ ہو جائے گا اور قربت اپنے نفس پر نقض ہوگی یہ بالاجماع باطل ہے، یہ صرف اس وجہ سے ہے کہ شریعت نے تم سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ تم اُس کے لیے وہ تیار کرو جو اس کو سیراب کرے، اور اس کے لیے کسی پانی کو مخصوص نہیں کیا ہے کہ اُس کے بغیر کفایت نہ ہو، بلکہ اگر تم اسکو خالص دُودھ، پانی ملا دودھ، عرق گلاب یا برف والا شربت خواہ وہ کیوڑے والا ہو تو زیادہ بہتر ہوگا تمھاری قربت ادا ہوگئی اور کچھ زیادہ بھی اور اللہ محسنین کو پسند کرتا ہے، اور ہماری اس تقریر سے ہانڈیوں اور پیالوں والے مسئلہ کی مزید تائید ہوتی ہے۔ یہ میرے لیے ظاہر ہوا ہے اور مجھے امید ہے کہ اس سے معاملہ واضح ہوگیا ہے والحمد للہ رب العالمین۔ (ت)

تنبیہ عامة الکتب فی بیان الشق الاول من الماء المستعمل علی التعبیر بماء استعمل فی رفع حدث وعلیه المتون کالقدوری و الھدایة والوقایة والنقایة والاصلاح و الکنز والغرر والملتقی واعترضهم المحقق علی الاطلاق فی الفتح بان الحدث لایتجزء ثبوتا[1] اھ ای علی القول الصحیح المعتمد فما

تنبیہ مستعمل پانی کی پہلی شق کے بیان میں عام کتب میں یہی ہے کہ یہ وہ پانی ہے جو حَدَث دُور کرنے میں مستعمل ہوا ہو، متونِ کُتب میں یہی ہے، مثلاً قدوری، ہدایہ، وقایہ، نقایہ، اصلاح، کنز، غرر اور ملتقی وغیرہ، اور محقق علی الاطلاق نے فتح میں ان پر یہ اعتراض کیا ہے کہ حَدَث کے ثبوت میں تجزّی نہیں ہوتی ہے اھ یعنی قول صحیح معتمد پر، تو جب تک بدن کا

[1] فتح القدیر ماء مستعمل نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۹

بقیت ذرۃ مما لحقہ حکم الحدث بقی الحدث فی
کل ما کان لحقہ حتی لو ان محدثا او جنبا تطھر و
بقیت لمعۃ خفیفۃ فی رجلہ مثلا لم یحل
لہ مس المصحف بیدہ ولا بکمہ ولا للجنب التلاوۃ
کل ذلک علی ما ھو المختار للفتوی فھذا الماء لم
یرفع الحدث ولو لم ینو لم تکن قربۃ ایضا مع
انہ مستعمل قطعا بفروع کثیرۃ منصوصۃ عن
صاحب المذھب رضی اللہ تعالی عنہ فی ادخال
المحدث بعض اعضائہ فی الماء لغیر ضرورۃ
الاغتراف علی ما فصلت فی الفتح والحلیۃ
والبحر وغیرھا وللتفصی عن ھذا قرر المحقق
ان صیرورۃ الماء مستعملا باحدی ثلث رفع
الحدث والتقرب وسقوط الفرض عن العضو
قال وعلیہ تجری فروع ادخال الید والرجل
الماء القلیل لا لحاجۃ ولا تلازم بین سقوط
الفرض وارتفاع الحدث فسقوط الفرض عن
الید مثلا یقتضی ان لا یجب اعادۃ غسلھا
مع بقیۃ الاعضاء ویکون ارتفاع الحدث
موقوفا علی غسل الباقی وسقوط الفرض ھو
الاصل فی الاستعمال لما عرف ان اصلہ
مال الزکوۃ والثابت فیہ لیس الا سقوط الفرض
حیث جعل بہ دنسا شرعا علی ما ذکرناہ[1] و
تبعہ تلمیذہ المحقق فی الحلیۃ ثم البحر فی

کوئی ذرہ جس سے حکمِ تطہیر لاحق ہوتا ہے باقی بچا رہے گا
حدث بھی اُس حصہ میں باقی رہے گا، یہاں تک کہ کوئی
بے وضو یا ناپاک شخص غسل کرتا ہے اور مثلاً اُس کے پیر
میں خشکی کی معمولی سی چمک باقی رہ جاتی ہے تو وہ مصحف
کو اپنے ہاتھ سے یا اپنی آستین سے نہیں چھو سکتا ہے
اور جُنب ہونے کی صورت میں تلاوت نہیں کرسکتا ہے
یہ سب فتوٰی کے لیے مختار ہے، تو اس پانی نے حدث
کو رفع نہیں کیا، اور اگر اُس نے نیت نہ کی تو قربت بھی
نہ ہوگی حالانکہ وہ قطعاً مستعمل ہے، اس میں بہت سی
فروع ہیں جو صاحبِ مذہب سے منقول ہیں، ان کا
تعلق اس امر سے ہے کہ بے وضو اپنے کسی عضو کو
بلا ضرورت چُلّو بھرنے کے لیے پانی میں ڈالے، جیسا کہ فتح،
حلیہ اور بحر میں تفصیل سے ذکر کیا ہے، اس اعتراض سے
رہائی حاصل کرنے کے لیے محقق نے یہ تقریر کی ہے کہ
پانی کے مستعمل ہونے کی تین صورتیں ہیں رفعِ حدث،
تقرب اور فرض کا عضو سے ساقط ہونا، فرمایا کہ اسی
پر یہ فروع متفرع ہوں گی کہ ہاتھ یا پیر تھوڑے پانی میں
بلا ضرورت ڈالا، اور سقوطِ فرض اور ارتفاعِ حدث
میں کوئی تلازم نہیں ہے اب ہاتھ سے سقوطِ فرض مثلاً
چاہتا ہے کہ ہاتھ کے دھونے کا بقیہ اعضاء کے ساتھ
اعادہ نہ ہو اور حدث کا مرتفع ہونا باقی اعضاء کے دھونے
پر موقوف ہو اور پانی کے استعمال میں سقوطِ فرض ہی اصل ہے
جیسا کہ معلوم ہے کہ اس کی اصل مال زکوٰۃ ہے اور

البحر ثم تلمیذہ العلامۃ الغزی حتی جعلہ متنا واقرہ علیہ المدقق فی الدر واعتمدہ العارف باللہ سیدی عبد الغنی النابلسی فی شرح ھدیۃ ابن العماد وزعم العلامۃ ش ان ھذا السبب الثالث زادہ فی الفتح۔

اس میں بھی ثابت ہے کہ سقوطِ فرض ہو، کیونکہ اس میں شرعا میل کچیل ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا اھ اور ان کے محقق شاگرد نے ان کی پیروی کی حلیہ میں، پھر صاحب بحر نے بحر میں۔ پھر ان کے شاگرد علامہ غزی نے، یہاں تک کہ اس کو متن قرار دیا، اور دُر میں اس کو مدقق نے برقرار رکھا، اور عبدالغنی نابلسی نے شرح ہدیۃ ابن العماد میں اس پر اعتماد کیا، اور علامہ ش نے فرمایا کہ اس تیسرے سبب کو فتح میں زیادہ کیا گیا۔ ت

اقول ولیس کذا بل ھو منصوص علیہ من صاحب المذھب رضی اللہ تعالی عنہ ففی الفتح عن کتاب الحسن عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالی عنہ ان غمس جنب او غیر متوضئ یدیہ الی المرفقین او احدی رجلیہ فی اجانۃ لم یجز الوضوء منہ لانہ سقط فرضہ عنہ اھ وفیہا عن الھدایۃ فی تعلیل قول ابی یوسف اعنی والامام رضی اللہ تعالی عنہما ان اسقاط الفرض مؤثر ایضا فیثبت الفساد بالامرین اھ نعم المزید من المحقق ھو تثلیث السبب ولیس بذلك فان سقوط الفرض اعم مطلقا من رفع الحدث ففیہ غنیۃ عنہ اما ما فی منحۃ الخالق انہ قد یرتفع الحدث ولا یسقط الفرض کوضوء الصبی العاقل لما مر من صیرورتہ ماء

میں کہتا ہوں یہ بات درست نہیں ہے بلکہ یہ صاحبِ مذہب رحمہ اللہ سے ہی منصوص ہے، فتح میں حسن کی کتاب سے ابو حنیفہ سے مروی ہے کہ اگر ناپاک شخص یا بے وضو شخص نے اپنے دونوں ہاتھ دونوں کہنیوں تک پانی میں ڈبوئے یا ایک پیر کسی مرتبان میں ڈبویا تو اُس سے وضو جائز نہ ہوگا، کیونکہ اس کا فرض اُس سے ساقط ہوچکا ہے اھ

اور ہم نے ہدایہ سے ابو یوسف کے قول یعنی امام کے قول کی بھی علت بیان کرتے ہوئے پہلے ذکر کیا ہے کہ اسقاطِ فرض بھی موثر ہے تو فساد دونوں امروں سے ثابت ہوگا اھ ہاں محقق نے جو اضافہ کیا ہے وہ سبب کی تثلیث ہے، اور وہ درست نہیں کیونکہ سقوطِ فرض اعم مطلق ہے رفعِ حدث سے، لہذا یہ اس سے بے نیاز کرنے والا ہے، اور منحۃ الخالق میں ہے کہ کبھی حدث

ؔ ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۶
ؔ فتح القدیر بحث الماء المستعمل نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۶
ؔ ہدایۃ الماء الذی یجوز بہ الوضوء العربیہ کراچی ۱/۲۲

مستعملا مع انہ لا فرض علیہ[1] اھ

ختم ہوجاتا ہے اور فرض ساقط نہیں ہوتا جیسے عاقل بچے کا وضو، کیونکہ ابھی گزرا ہے کہ اُس کا پانی مستعمل ہوجاتا ہے حالانکہ وضو اُس پر فرض نہیں۔ ت

فاقول لیس بشیئ فان حکم الحدث انما یلحق المکلف وقد نصوا ان مراھقا جامع اومراھقۃ جومعت انما یؤمران بالغسل تخلقا واعتیادا[2] کما فی الخانیۃ والغنیۃ وغیرھما وفی الدر یؤمربہ ابن عشر تادیبا[3] فحیث لم یسقط الفرض لانعدام الافتراض لم یرتفع الحدث ایضا لانعدام الحکم بہ اما صیرورتہ مستعملا فلیس لرفعہ حدثا والاصار مستعملا من کل صبی ولو لم یعقل وھو خلاف المنصوص بل لکونہ قربۃ معتبرۃ اذا نواھا ولذا قیدوہ بالعاقل لان غیرہ لانیۃ لہ والذی مران ارادبہ مامر فی البحر فھو قولہ فی الخلاصۃ اذا توضأ الصبی فی طست ھل یصیر الماء مستعملا المختار انہ یصیر اذا کان عاقلا[4] اھ فھذا التقیید یفید ما قلنا وقد قال فی الغنیۃ ان ادخل الصبی یدہ فی الماء وعلم ان لیس بھا نجس یجوز التوضؤ بہ وان شك فی طھارتھا یستحب ان لایتوضأ بہ وان توضأ جاز ھذا اذا لم یتوضأ الصبی بہ فان

میں کہتا ہوں یہ ٹھیک نہیں کیونکہ حدث کا حکم مکلّف کو لاحق ہوتا ہے، علماء نے تصریح کی ہے کہ اگر کسی مراہق نے جماع کیا یا کسی مراہقہ سے جماع کیا گیا تو ان کو اخلاق و آداب سکھانے کی غرض سے غسل کا حکم دیا جائے گا، خانیہ اور غنیہ وغیرہ میں یہی ہے اور دُر میں یہ ہے کہ دس سالہ لڑکے کو تادیباً غسل کا حکم دیا جائیگا جب فرض ساقط نہ ہوگا کیونکہ فرضیت منعدم ہے تو حدث بھی مرتفع نہ ہوگا کیونکہ اس کا حکم منعدم ہے، اور رہا اس کا مستعمل ہونا تو یہ اس وجہ سے نہیں ہے کہ اس نے حدث کو رفع کیا ہے ورنہ تو ہر بچہ کا مستعمل پانی مستعمل ہوجاتا اگرچہ وہ عاقل نہ ہو، اور یہ خلافِ منصوص ہے بلکہ یہ اس لیے ہے کہ یہ قربت اُسی وقت معتبر ہوگی جبکہ وہ اُس کی نیت کرے، اور اسی لیے انہوں نے بچہ کو عاقل سے مقید کیا ہے کیونکہ غیر عاقل کی نیت نہیں ہوتی ہے، اور جو گزرا اگر اُس سے ان کا ارادہ وُہ ہے جو گزرا بحر میں تو ان کا وہ قول خلاصہ میں ہے کہ جب بچہ طشت میں وضو کرے تو آیا پانی مستعمل ہوگا؟ تو مختار یہ ہے کہ اس وقت مستعمل ہوگا جب بچہ عاقل ہو اھ تو یہ تقیید اُسی چیز کا فائدہ دے رہی ہے

[1] منحۃ الخالق علی البحر	الماء المستعمل	سعید کمپنی کراچی	۹۲/۱
[2] قاضی خان	فیما یوجب الغسل	نولکشور لکھنؤ	۲۱/۱
[3] درمختار	موجبات الغسل	مجتبائی دہلی	۳۱/۱
[4] خلاصۃ الفتاوٰی	الماء المستعمل	نولکشور لکھنؤ	۸/۱

توضأ به ناویا اختلف فیه المتأخرون والمختار انه یصیر مستعملا اذا کان عاقلا لانه نوی قربۃ معتبرۃ[1] اھ وان اراد به ما مر فی نفس المنحۃ قبیل ھذا بسطور فھو اصرح وابین حیث قال نقلا عن الخانیۃ الصبی العاقل اذا توضأ یرید به التطهیر ینبغی ان یصیر الماء مستعملا لانه نوی قربۃ معتبرۃ[2] ثم افاد بنفسد ان قولہ یرید به التطهیر یشیر الی انه ان لم یرد به التطهیر لا یصیر مستعملا[3] اھ ولکن سبحن من لا ینسی ثم قال فی المنحۃ بقی ھل بین سقوط الفرض والقربۃ تلازم ام لا[4] الخ

جو ہم نے کہی ہے، اور غنیہ میں فرمایا کہ اگر بچّے نے پانی میں ہاتھ ڈالا اور یہ علم تھا کہ اس کے ہاتھ پر کوئی نجاست موجود نہیں ہے تو اُس پانی سے وضو جائز ہے اور اس کی طہارت میں شک ہے تو مستحب یہ ہے کہ اُس پانی سے وضو نہ کرے اور اگر وضو کیا تو جائز ہے، یہ اُس صورت میں ہے جب کہ بچّے نے اُس سے وضو نہ کیا ہو اور اگر نیت کے ساتھ وضو کیا ہو تو متاخرین کا اس میں اختلاف ہے، اور پسندیدہ قول یہ ہے کہ اگر وہ عاقل ہو تو مستعمل قرار پائے گا کیونکہ اُس نے معتبر قربت کی نیت کی ہے اھ اور اگر وہ ارادہ کیا جو نفسِ منحہ میں گزرا ہے اس سے چند سطور قبل تو وہ اور زیادہ واضح اور روشن ہے وہ خانیہ سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عاقل بچّہ جب وضو کرے اور اس سے پاکی حاصل کرنے کا ارادہ کرے تو چاہئے کہ پانی مستعمل ہو جائے، کیونکہ اُس نے معتبر قربۃ کی نیت کی اھ پھر خود ہی فرمایا کہ اُس کا قول "یرید به التطهیر" اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اگر اس نے نیتِ تطہیر کی تو پانی مستعمل نہ ہوگا اھ لیکن بے عیب ہے وہ خدا جو بھولتا نہیں۔ پھر منحہ میں فرمایا اب یہ امر باقی رہ گیا ہے کہ آیا سقوطِ فرض اور قربۃ میں تلازم ہے یا نہیں الخ۔ ت

اقول مرادہ ھل القربۃ تلزم سقوط الفرض ام لا فان التلازم یکون من الجانبین ولا یتوھم عاقل ان سقوط الفرض یلزم القربۃ فان الاستنشاق فی الوضوء والمضمضۃ فیه وللطعام ومنه والوضوء علی الوضوء وامثالھا

اقول اُن کی مراد ہے کیا قربت سقوطِ فرض کو مستلزم ہے یا نہیں، کہ تلازم جانبین سے ہی ہوتا ہے اور کوئی عقلمند آدمی یہ سوچ بھی نہیں سکتا ہے کہ سقوطِ فرض مستلزمِ قربت ہے، کیونکہ وضو میں ناک میں پانی ڈالنا اور کُلّی کرنا اور کھانے کے لیے کُلّی کرنا اور اس کے

---

[1] غنیۃ المستملی الماء المستعمل سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۱۵۳
[2] منحۃ الخالق علی البحر الماء المستعمل سعید کمپنی کراچی ۱/۹۱
[3] و [4] ایضاً ۱/۹۲

كل ذلك قرب ولا سقوط للفرض ولكن تسامح في العبارة وظن انه تبع فيه الفتح والبحر حيث قالا لاتلازم بين سقوط الفرض وارتفاع الحدث قال في المنحة المراد نفي التلازم من احد الجانبين وهو جانب سقوط الفرض[1] الخ

بعد کُلی کرنا اور وضو پر وضو اور اسی جیسی دوسری چیزیں سب کی سب عبادتیں ہیں لیکن ان سے کوئی فرض ساقط نہیں ہوتا ہے، لیکن انہوں نے عبارت میں تسامح سے کام لیا ہے اور انہوں نے گمان کیا ہے کہ اس میں انھوں نے فتح اور بحر کی متابعت کی ہے وہ دونوں فرماتے ہیں سقوطِ فرض اور ارتفاعِ حدث میں تلازم نہیں۔ منحہ میں فرمایا ایک جانب سے تلازم کی نفی ہے اور وہ سقوطِ فرض کی جانب ہے الخ (ت)

اقول لیس کذلك بل التلازم هو اللزوم من الجانبين فسلبه يصدق بانتفاء اللزوم من احد الجانبين وهو المراد للفاضلين العلامتين وتفسيره باللزوم من احد الجانبين مفسد للمعنى اذ بورود السلب عليه يكون الحاصل نفي اللزوم من كلا الجانبين وليس صحيحا ولا مرادا وعلى كل فهذا السؤال مما يهمنا النظر فيه اذ لو ظهر لزوم القربة لسقوط الفرض سقط سقوط الفرض ايضا كما ارتفع رفع الحدث ودار حكم الاستعمال على القربة وحدها كما نسبوه الى الامام محمد وان كان التحقيق انه لم يخالف شيخيه في ذلك كما بينه في الفتح والبحر فرأينا العلامة صاحب المنحة فاذا هو اجاب عما سأل فقال ان قلنا ان اسقاط الفرض لا ثواب فيه فلا وان قلنا فيه ثواب فنعم قال العلامة المحقق نوح افندي والذي يقتضيه النظر الصحيح

میں کہتا ہوں بات یہ نہیں ہے بلکہ تلازم کا مطلب یہ ہے کہ لزوم دونوں جانب سے ہو، تو اس کا سلب احد الجانبین سے لزوم کے انتفاء کی صورت میں صادق آئے گا اور یہی مراد ہے دونوں فاضل علماء کی اور اس کی تفسیر احد الجانبین کے لزوم کے ساتھ معنی کو فاسد کرنے والی ہے کیونکہ جب اس پر سلب وارد ہوگا تو حاصل نفی لزوم ہوگا دونوں جانبوں سے اور یہ نہ تو صحیح ہے اور نہ ہی مراد ہے، اور بہر نوع ہمیں اس سوال پر غور کرنا ہے کیونکہ اگر قربت اور سقوطِ فرض کا لزوم ظاہر ہوجائے تو سقوطِ فرض بھی ساقط ہوجائے گا جیسے کہ رفعِ حدث مرتفع ہوا اور حکمِ استعمال کا دارومدار محض قربت پر ہوجائیگا جیسا کہ فقہاء نے اس کو امام محمد کی طرف منسوب کیا ہے اگرچہ تحقیق یہی ہے کہ انہوں نے شیخین کی مخالفت نہیں کی جیسا کہ بحر اور فتح میں ہے، علامہ صاحبِ منحہ نے اس سوال کا جواب دیا ہے فرماتے ہیں کہ اگر اسقاطِ فرض میں کوئی ثواب نہ مانا جائے تو یہ درست

[1] منحۃ الخالق علی البحر الماء المستعمل سعید کمپنی کراچی ۱/۹۲

ان الراجح ھو الاول لان الثواب فی الوضوء المقصود وھو شرعا عبارۃ عن غسل الاعضاء الثلثۃ ومسح الراس فغسل عضو منھا لیس بوضوء شرعی فکیف یثاب علیہ اللھم الا ان یقال انہ یثاب علی غسل کل عضو منھا ثوابا موقوفا علی الاتمام فان اتمہ اثیب علی غسل کل عضو منھا والا فلا ویدل علیہ ما اخرجہ مسلم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا توضأ العبد المسلم او المؤمن الی اخر الحدیث الذی قدمناہ اھ[۱]۔

نہیں، اور اگر کہیں کہ اس میں ثواب ہے تو یہ درست ہے۔ علامہ نوح آفندی فرماتے ہیں نظر صحیح کا تقاضا یہ ہے کہ راجح پہلا قول ہی ہے کیونکہ ثواب مقصود وضو میں ہے اور وہ شرعاً اعضاء ثلثہ کے دھونے اور سر کے مسح کو کہتے ہیں، تو ایک عضو کا دھونا شرعی وضو نہیں ہے تو اس پر ثواب کیسے ہوگا! ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ثواب کسی ایک عضو کے دھونے کا ثواب موقوف رہے گا مکمل وضو کرنے پر، اب اگر مکمل کرلے گا تو ہر ہر عضو کے دھونے پر ثواب پائے گا ورنہ نہیں۔ اس کی دلیل مسلم کی روایت ابوہریرہ سے ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مسلمان یا مومن وضو کرتا ہے الحدیث الذی قدمناہ اھ (جو حدیث ہم پہلے بیان کرچکے)۔ ت

اقول اولا ف لا معنی للزوم القربۃ سقوط الفرض وان قلنا بثبوت الثواب فی اسقاط الفرض اذ لا ثواب الا بالنیۃ وسقوط الفرض لا یتوقف علیھا فالحق ان بینھما عموما من وجہ مطلقا ولو نظر ف رحمہ اللہ تعالٰی الی فرق ما بین تعبیریہ بالسقوط والاسقاط لتنبہ لان الثواب ان کان لم یکن الا بالقصد المدلول علیہ بالاسقاط والسقوط لا یتوقف علیہ **وثانیا** ف للعبد الضعیف کلام فی توقف الثواب فی الطھارۃ علی الاتمام بل الثواب منوط بنیۃ الامتثال کما قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انما الاعمال بالنیات

میں کہتا ہوں اوّلاً قربۃ کے سقوطِ فرض کو لازم ہونے کا کوئی معنی نہیں، خواہ ہم یہ کہیں کہ ثواب ثابت ہوگا اسقاطِ فرض میں، کیونکہ ثواب بلانیت کے نہیں ہوتا اور فرض کا سقوط نیت پر موقوف نہیں ہے تو حق یہ ہے کہ ان دونوں میں عموم من وجہ مطلقاً ہے، اور اگر وہ رحمہ اللہ دونوں تعبیروں کے فرق کو دیکھتے، یعنی سقوط اور اسقاط تو ان کو معلوم ہوتا کہ ثواب نیت سے ہوتا ہے جو اسقاط سے مفہوم ہوتی ہے اور سقوط اس پر موقوف نہیں۔

ثانیاً عبدِ ضعیف کو اس امر میں کلام ہے کہ ثواب موقوف ہے طہارت کے مکمل ہونے پر بلکہ ثواب موقوف ہے حکم ماننے کی نیت پر، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۱] منحۃ الخالق علی حاشیۃ بحر الرائق بحث الماء المستعمل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۹۲

وانما لکل امرئ ما نوی[1] فمن جلس یتوضأ ممتثلا لامر ربه ثم عرض له فی اثنائه ما منعه عن اتمامه فکیف یقال لایثاب علی ما فعل واللہ لا یضیع اجر المحسنین[2] نعم من نوی من بدء الامر انه لایأتی الا بالبعض فهذا الذی یرد علیه انه لم یقصد الوضوء الشرعی بل هو عابث بقصد مالا یعتبر شرعا والعابث لایثاب بخلاف من قد منا وصفه ویترای لی ان مثل ذلک العابث من قصد الوضوء الشرعی واتی ببعض الاعمال ثم قطع من دون عذر فان اللہ تعالٰی سمی القطع ابطالا اذ یقول عزمن قائل ولا تبطلوا اعمالکم[3] والباطل لاحکم له واللہ تعالٰی اعلم وثالثا محو الخطایا ان لم یکن ثوابا فلا ذکر له فی الحدیث اصلا وان کان فالحدیث حاکم بترتب ثواب کل فعل فعل عند وقوعه ولا دلالة فیه علی توقف الاثابة الی ان یتم وبالجملة فلا اغناء لاحد من القربة والسقوط عن الاخر بخلاف الرفع والسقوط فلا وجه للتثلیث ثم رأیت العلامة ش اشار الی هذا فی ردالمحتار حیث قال رفع الحدث لایتحقق الا فی ضمن القربة او اسقاط الفرض او فی ضمنهما فیستغنی بهما عنه[4] اھ

نے فرمایا "بیشک اعمال کا دارو مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کو وہی ملے گا جس کی وہ نیت کرے، تو جو شخص اپنے رب کے حکم کو ماننے کے لیے وضو کرنے بیٹھا پھر درمیان میں کوئی ایسا امر لاحق ہوا کہ وہ وضو مکمل نہ کرسکا تو اب یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ جو کچھ وہ کرچکا ہے اس پر اس کو ثواب نہیں ملے گا، اللہ اچھے کاموں کا اجر برباد نہیں کرتا، ہاں اگر کسی نے شروع سے ہی یہ نیت کی کہ وہ بعض اعضاء کو دھوئے گا، تو یہ ہے جس پر یہ اعتراض وارد ہوگا کہ اُس نے وضوِ شرعی کا ارادہ نہیں کیا ہے بلکہ وہ ایک ایسا کام کرکے جو شرعاً غیر معتبر ہے عبث کررہا ہے اور جو عبث کرتا ہو اس کو ثواب نہیں ملے گا" بخلاف اس کے جس کا وصف ہم نے پہلے بیان کیا، اور مجھے لگتا ہے کہ اسی عبث کرنے والے کی طرح ہے وہ شخص جس نے شرعی وضو کا ارادہ کیا اور بعض اعمال کئے پھر وضو کو بلا عذر نامکمل چھوڑ دیا کیونکہ اللہ نے قطع کو ابطال قرار دیا ہے، اللہ فرماتا ہے "تم اپنے اعمال کو باطل نہ کرو" اور باطل کا کوئی حکم نہیں واللہ تعالٰی اعلم۔

ثالثاً یہ کہ خطاؤں کا مٹ جانا اگر ثواب نہیں ہے تو اس کا ذکر حدیث میں بالکل نہیں ہے اور اگر ثواب ہے تو حدیث کا حکم یہ ہے کہ ہر فعل کا ثواب اس فعل کے واقع ہوجانے کے وقت مرتب ہوگا، اور اس میں اس

---

[1] جامع للبخاری باب کیف بدء الوحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲

[2] القرآن ۹/۱۲۰ [3] القرآن ۴۷/۳۳

[4] ردالمحتار الماء المستعمل مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۶

امر پر دلیل نہیں کہ ثواب تمام پر موقوف ہوگا، اور خلاصہ یہ کہ قربت اور سقوط میں سے کسی ایک کو دوسرے سے بے نیازی نہیں بخلاف رفع اور سقوط کے، تو تثلیث کی کوئی وجہ نہیں، پھر میں نے علامہ ش کو دیکھا کہ انھوں نے ردالمحتار میں اس طرف اشارہ کیا' فرمایا رفع حدث قربۃ کے ضمن ہی میں متحقق ہوتا ہے یا اسقاط فرض کے یا دونوں کے ضمن میں متحقق ہوتا ہے، تو ان دونوں سے اس میں بے نیازی حاصل کی جائے گی اھ (ت)

اقول لم یظھر لی کیف یتحقق رفع الحدث فی ضمن القربۃ من دون سقوط الفرض حتی یصح ھذا التثلیث الاٰخر الذی ذکرھذا العلامۃ بل کلما رفع الحدث لزم منہ سقوط الفرض کما اعترف بہ فی المنحۃ فان جنح الی ما قدمنا عنہ من مسألۃ وضوء الصبی العاقل ای اذا توضأ ناویا فقد تحقق رفع الحدث فی ضمن القربۃ من دون سقوط فرض۔

میں کہتا ہوں مجھ پر یہ ظاہر نہیں ہوا کہ رفع حدث قربۃ کے ضمن میں کیسے متحقق ہوگا بغیر فرض کے سقوط کے یہاں تک کہ یہ دُوسری تثلیث جس کی طرف اس علامہ نے اشارہ کیا ہے صحیح قرار پائے، بلکہ جب بھی حدث مرتفع ہوگا اس سے فرض ساقط ہوگا، جیسا کہ منحہ میں اس کا اعتراف کیا ہے، تو اگر اس کی طرف مائل ہوں جو ہم نے پہلے ان سے نقل کیا ہے یعنی عاقل بچّہ کا وضو، جب عاقل بچہ نیّت کے ساتھ وضو کرے تو حدث قربت کے ضمن میں مرتفع ہو جائے گا مگر فرض ساقط نہ ہوگا۔ (ت)

فاقول اوّلا قد علمت بطلانہ **وثانیا** ان سلم ھذا یلزم ان یتحقق رفع الحدث من دون قربۃ ولا سقوط فرض اذا توضأ الصبی غیرنا ولان رفع الحدث لایفتقر الی النیۃ والقربۃ لا توجد بدونہا فحینئذ ینھدم اصل المرام ویعود التثلیث الذی ذکرہ المحقق فالصواب ما ذکرت ان رفع الحدث یلزمہ سقوط الفرض ففیہ غنیۃ عنہ۔

میں کہتا ہوں اولاً تم اس کا بطلان جان چکے ہو۔

ثانیاً اگر یہ مان لیا جائے تو لازم آئے گا کہ رفعِ حدث متحقق ہو بلا قربت کے، اور نہ فرض کا سقوط ہو جب بچہ بلا نیت وضو کرے، کیونکہ رفعِ حَدَث محتاج نیت نہیں ہوتا جبکہ قربت بلا نیت نہیں پائی جاتی ہے اس صورت میں اصلِ مقصود ہی ختم ہو جائے گا اور وہ تثلیث عَود کر آئے گی جس کو محقق نے ذکر کیا ہے، تو صحیح وہی ہے جس کو میں نے ذکر کیا کہ رفعِ حَدَث کو سقوطِ فرض لازم ہے، پس یہ اُس سے بے نیاز کرنے والا ہے۔ (ت)

ثم اقول لو ان المحقق علی الاطلاق حانت منہ التفاتۃ ھنا الی کلام مشروحہ الھدایۃ لما جنح الی تثلیث السبب ولظھر

پھر میں کہتا ہوں اگر محقق علی الاطلاق صاحبِ ہدایہ کے کلام پر توجہ دیتے تو تثلیث سبب کی طرف متوجہ نہ ہوتے اور رجوعِ عام کتب اور متون سے

له الجواب ايضا عما اعترض به كلام العامة و المتون و ذلك ان الامام صاحب الهداية قدس سره عبر فى المسألة بما ازيل به حدث او استعمل قربة وقال فى الدليل اسقاط الفرض مؤثر ايضا فيثبت الفساد بالامرين فافاد ان المراد بزوال الحدث هو سقوط الفرض و ان مؤداهما ههنا واحد و لا شك ان سقوط الفرض عن عضو دون عضو بل عن بعض عضو دون بعضه الأخر ثابت متحقق وان لم يترتب عليه احكام ارتفاع الحدث وهو كما قدمت الاشارة اليه فى بيان الفروع ليشمل ما اذا تطهر كاملا او غسل شيئا من اعضائه بل عضوه فلا تثليث ولا اعتراض بعدم التجزى و تحقيقه ما افاده فى المنحة نقلا عن العلامة نوح افندى فى حواشى الدرر ناقلا عن الشيخ قاسم فى حواشى المجمع ان الحدث يقال بمعنيين المانعية الشرعية عما لا يحل بدون الطهارة وهذا لا يتجزى بلا خلاف عند ابى حنيفة وصاحبيه وبمعنى النجاسة الحكمية وهذا يتجزء ثبوتا وارتفاعا بلا خلاف عند ابى حنيفة واصحابه

اعتراض ہوتا تھا اُس کا جواب بھی ظاہر ہوجاتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ صاحبِ ہدایہ نے مسئلہ میں یہ تعبیر کی ہے کہ وُہ پانی جس سے حدث زائل کیا گیا ہو یا بطورِ قربت استعمال کیا گیا ہو، اور دلیل میں فرمایا کہ اسقاط فرض بھی مؤثر ہے تو فساد دونوں امروں سے ظاہر ہوگا اس سے معلوم ہوا کہ زوالِ حدث سے مراد سقوطِ فرض ہے اور دونوں کا نتیجہ ایک ہی ہے اور اس میں شک نہیں کہ فرض کا سقوط ایک عضو سے نہ کہ دوسرے عضو سے، بلکہ بعض عضو سے نہ کہ دوسرے بعض سے ثابت متحقق ہے اگرچہ اس پر ارتفاعِ حدث کے احکام مترتب نہیں ہوتے ہیں اور جیسا کہ میں اشارہ کرچکا ہوں بیان فروع میں اُس صورت کو بھی شامل ہے جبکہ پوری طرح طہارت کی یا کچھ اعضاء دھوئے بلکہ اپنے ایک عضو کا حصہ دھویا تو نہ تثلیث ہوگی اور نہ عدم تجزی کا اعتراض ہوگا، اس کی تحقیق منحہ میں علامہ نوح آفندی کی اُس تحقیق سے منقول ہے جو درر کے حواشی میں منقول ہے اور جو حواشی مجمع میں شیخ قاسم سے منقول ہے کہ حدث کا اطلاق دو معنی میں ہوتا ہے، ایک تو یہ کہ جو چیز بلا طہارت جائز نہ ہو اُس کی شرعی ممانعت، اور یہ چیز ابو حنیفہ اور ان کے صاحبین کے درمیان بالاتفاق

عہ اقول قال فى الاول عند ابى حنيفة و صاحبيه لان من المشائخ من قال بتجزيه

اقول پہلے کے متعلق امام ابوحنیفہ کے ساتھ صاحبیہ تثنیہ کا صیغہ ذکر کیا ہے کیونکہ بعض مشایخ نے کہا جنبی کو قرأت کے لیے کُلّی

(باقی اگلے صفحہ پر)

له الهداية باب الماء الذى لا يجوز به الوضوء المكتبة العربية ۱/۲۲

وصیرورۃ الماء مستعملا بازالۃ الثانیۃ ففی مسألۃ البئر سقط الفرض عن الرجلین بلا خلاف والماء الذی اسقط الفرض صار مستعملا بلا خلاف علی الصحیح اھ قال العلامۃ نوح ھذا ھو التحقیق فخذہ فانہ بالاخذ حقیق[1] اھ

غیر متجزی ہے، اور دُوسرا معنی نجاست حکمیہ، اور یہ چیز ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کے درمیان بالاتفاق متجزی ہے ثبوتًا بھی اور ارتفاعًا بھی، اور پانی جو مستعمل ہوتا ہے تو دوسرے معنی کے ازالہ سے ہوتا ہے، تو کنوئیں کے مسئلہ میں دونوں پیروں کا فرض ساقط ہوگیا اور وُہ پانی جو اسقاطِ فرض میں استعمال ہوا مستعمل ہوگیا، صحیح قول کے مطابق اس میں کوئی اختلاف نہیں، اھ علامہ نوح آفندی نے فرمایا تحقیق یہی ہے اور اسی کو اختیار کرنا چاہیے اھ۔(ت)

اقول بل اختار فی غایۃ البیان ثم النھر ثم الدر ان حقیقۃ الحدث ھو المعنی الثانی قال فی البحر تبعا للفتح الحدث مانعیۃ شرعیۃ قائمۃ بالاعضاء الی غایۃ استعمال المزیل[2] اھ قال فی النھر وتبعہ الدر ھذا تعریف بالحکم وعرفہ فی غایۃ البیان بانہ وصف شرعی یحل فی الاعضاء یزیل الطھارۃ[3] قال وحکمہ المانعیۃ لما جعلت الطھارۃ شرطالہ الخ ونظر فیہ ش نقلا عن حاشیۃ الشیخ خلیل الفتال عازیا لبعض الفضلاء بان حکم الشیئ ما کان اثرالہ خارجا

میں کہتا ہُوں غایۃ البیان، نہر اور دُر نے دوسرے معنی کو مختار قرار دیا ہے، بحر میں فتح کی متابعت کرتے ہوئے فرمایا حدث شرعی مانعیت ہے جو اعضاء کے ساتھ اس وقت تک قایم رہتی ہے یہاں تک کہ زائل کرنے والی چیز استعمال کی جائے، نہر اور دُر میں ہے کہ یہ حکم کے ساتھ تعریف ہے، اور غایۃ البیان میں اس کی تعریف یہ ہے کہ وہ ایک ایسا وصف ہے جو اعضاء میں حلول کرتا ہے اور طہارت کو زائل کرتا ہے فرمایا کہ اس کا حکم مانعیت ہے اس چیز کی جس کے لیے طہارت شرط ہے الخ اور ''ش'' نے اس میں حاشیہ شیخ خلیل فتال سے نقل

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) حتی اجاز للجنب القراءۃ بعد المضمضۃ وللمحدث المس بعد غسل الید وقال ھھنا واصحابہ لان تجزی ھذا الا خلاف فیہ عند مشایخنا اھ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

کافی ہے اور محدث کو مسِ مصحف کے لیے ہاتھ دھونا کافی ہے اور یہاں دوسرے معنی میں اصحاب جمع کا صیغہ ذکر کیا ہے کیونکہ اس کو سب نے کافی کہا ہمارے مشایخ کا اس میں اختلاف نہیں اھ (ت)

[1] منحۃ الخالق علی حاشیۃ بحرالرائق بحث الماء المستعمل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۹۲

[2] بحرالرائق باب شروط الصلٰوۃ سعید کمپنی کراچی ۱/۲۶۷

[3] درمختار کتاب الطہارۃ مجتبائی دہلی ۱/۱۶

عنه مترتبا علیه والمانعیة المذکورة لیست کذلك وانما حکم الحدث عدم صحة الصلاة معه وحرمة مس المصحف ونحو ذلك فالتعریف بالحکم کأن یقال الحدث ما لا تصح الصلاة معه تأمل[1] اھ قال ش علی ان التعریف بالحکم مستعمل عند الفقهاء لان الاحکام محل مواقع انظارهم[2] اھ وقد اشار الیه ط وقال علی قوله مانعیة ای کونه مانعا من الصلاة ومس المصحف والاظهر ان یقال مانع شرعی[3] اھ

کرتے ہوئے نظر کی ہے، اور اس کو بعض فضلاء کی طرف منسوب کیا ہے کہ ہر چیز کا حکم اس کے اثر کو کہتے ہیں جو اس سے خارج ہو اور اس پر مرتب ہو اور مذکورہ مانعیت اس قسم کی نہیں ہے، اور حدث کا حکم تو یہی ہے کہ اس کے ساتھ نماز درست نہیں ہوتی اور مصحف کو نہیں چھوا جا سکتا ہے اور اسی قسم کے دوسرے احکام، تو تعریف بالحکم اس طرح ہو سکتی ہے کہ حدث وہ چیز ہے جس کے ساتھ نماز درست نہ ہو تامل اھ ش نے فرمایا کہ علاوہ ازیں تعریف بالحکم فقہاء کے نزدیک مستعمل ہے کیونکہ احکام ہی سے وہ بحث کرتے ہیں اھ اور ط نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور "مانعیت" پر فرمایا کہ اس کا نماز سے مانع ہونا اور مصحف کے چھونے سے مانع ہونا ہے اور اظہر یہ ہے کہ کہا جائے کہ یہ مانع شرعی ہے اھ ت

اقول وباللّٰه التوفیق کلام المعترضین علی البحر کله بمعزل عن غوص القعر فان مبناه طرًا علی ان تعریف البحر غیر تعریف الغایة ولا دلیل علیه فان المانعیة بمعنی الحال فضلا عن کونه مما لا قیام له بموضوع لعدم کونه من الصفات المنضمة لا قیام لها بالاعضاء اصلا فانها غیر مانعة حتی تکون لها مانعیة وبمعنی النسبة ای شیئ له انتساب الی مانع شرعی صادق قطعا علی ذلك الوصف

میں بتوفیقِ الٰہی کہتا ہوں معترضین کے بحر پر اعتراضات گہرائی سے خالی ہیں، کیونکہ ان کی بنیاد اس پر ہے کہ بحر کی تعریف غایہ کی تعریف سے مختلف ہے اور اس پر کوئی دلیل نہیں کیونکہ مانعیت بمعنی حال ہے اس سے قطع نظر کہ وہ صفات منضمہ میں سے نہ ہونے کی بنا پر اپنے موضوع کے ساتھ قائم نہیں ہوتی، اس کا اعضاء کے ساتھ قیام بالکل ہوتا ہی نہیں کیونکہ اعضاء مانع نہیں تاکہ ان کے ساتھ مانعیت قائم ہو اور بمعنی نسبت کے یعنی وہ شے جس کا کسی مانع شرعی کی طرف انتساب ہو

---

[1] ردالمحتار کتاب الطہارت مصطفی البابی مصر ۱/۶۳
[2] ردالمحتار " " "
[3] طحطاوی علی الدر " بیروت ۱/۵۶

الشرعی الذی یحل بالاعضاء فیزیل طهرها لان المانع هو الخطاب الشرعی و المنتسب الیه ما لاجله ورد الخطاب وهی النجاسة الحکمیة وهی بعینها ذلك الوصف القائم بالاعضاء فرجع التعریف الی تعریف الغایة فلا خلاف ولا خلف الا تری ان تلمیذ المحقق علی الاطلاق اعنی المحقق الحلبی عرف الحدث فی الحلیة بانه الوصف الحکمی الذی اعتبر الشارع قیامه بالاعضاء مسببا عن الجنابة و الحیض والنفاس والبول و الغائط وغیرهما من نواقض الوضوء و منع من قربان الصلاة وما فی معناها معه حال قیامه بمن قام به الی غایة استعمال ما یعتبر به مزیلا له اھ[1] وهو کما تری لیس الا بسط لما اجمله شیخه المحقق وما هو الا عین ما عرف به فی الغایة ولو قال مانع شرعی کما استظهره العلامة ط لکان ایضا مرجعه الی ذلك لان ذلك الوصف الشرعی وهی النجاسة مانع شرعی بمعنی ما لاجله المنع و استعمال المانع بهذا المعنی شائع ذائع غیر ان المحقق ابقاه علی حقیقته فاق بالنسبة فلا وجه وجیها للاستظهار ثم من اوضح دلیل علیه ان البحر مغترف فی هذا الحد من مناهل فتح القدیر کما ذکره فی رد المحتار وقد قال المحقق فی

یہ قطعًا اس وصف شرعی پر صادق آتی ہے جو اعضاء میں حلول کرتا ہے اور ان کی طہارت کو زائل کرتا ہے اس لیے کہ مانع وہ خطاب شرعی ہے، اور اس کی طرف منسوب وہ چیز ہے جس کی وجہ سے خطاب وارد ہوا، اور وہ ہی نجاستِ حکمیہ ہے، اور وہ بعینہا وہ وصف ہے جو اعضاء کے ساتھ قائم ہے تو تعریف، غایہ والی تعریف کی طرف لوٹ آئی تو کوئی خلاف نہیں اور نہ خلف ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ محقق علی الاطلاق کے شاگرد محقق حلبی نے حلیہ میں حدث کی تعریف اس طرح کی ہے کہ وہ ایک وصف حکمی ہے کہ شارع نے اعضاء کے ساتھ اس کے قیام کا اعتبار کیا ہے، اور یہ جنابۃ، حیض، نفاس، پیشاب اور پاخانہ وغیرہما نواقض وضوء کے باعث ہوتا ہے، اور یہ چیز نماز کے قریب جانے سے مانع ہوتی ہے، یا جو چیز نماز کے حکم میں ہو، یہ مانعیت اس وقت تک رہتی ہے جب تک یہ وصف اُس شخص کے ساتھ قائم رہے، یہاں تک کہ وہ اس چیز کو استعمال کرے جو اس کو زائل کرنے والی ہے اھ یہ تعریف جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں اُسی چیز کا بسط ہے جس کا اجمال ان کے شیخ محقق نے کیا ہے اور یہ بعینہ وہی تعریف ہے جو غایہ میں ہے، اور اگر مانع شرعی کہتے جیسا کہ علامہ "ط" نے فرمایا اس کا بھی ماحصل یہی ہے کیونکہ وہ وصف شرعی، جو نجاست ہے مانع شرعی ہے اس معنی کے اعتبار سے کہ یہ وہ چیز ہے جس کی وجہ سے منع ہے، اور

[1] حلیہ

الفتح مستند لا لرواية الحسن و ابی یوسف عن الامام الاعظم ان الماء المستعمل نجسا مغلظا او مخففا ما نصہ[1] وجہ روایۃ النجاسۃ قیاس اصلہ الماء المستعمل فی النجاسۃ الحقیقیۃ و الفرع المستعمل فی الحکمیۃ بجامع الاستعمال فی النجاسۃ بناء علی الغاء وصف الحقیقی فی ثبوت النجاسۃ و ذلک لان معنی الحقیقی لیس الا کون النجاسۃ موصوفا بھا جسم مستقل بنفسہ عن المکلف لا ان وصف النجاسۃ حقیقۃ لا تقوم الا بجسم کذلک و فی غیرہ مجاز بل معناہ الحقیقی واحد فی ذلک الجسم و فی الحدث لانہ لیس المتحقق لنا من معناھا سوی انھا اعتبار شرعی منع الشارع من قربان الصلاۃ و السجود حال قیامہ لمن قام بہ الی غایۃ استعمال الماء فیہ فاذا استعملہ قطع ذلک الاعتبار کل ذلک ابتلاء للطاعۃ فاما ان ھناک وصفا حقیقیا عقلیا او محسوسا فلا ومن ادعاہ لا یقدر فی اثباتہ علی غیر الدعوی ویدل علی انہ اعتبار اختلافہ باختلاف الشرائع الا تری ان الخمر محکوم بنجاسۃ فی شریعتنا و بطھارتہ فی غیرھا فعلم انھا لیست سوی اعتبار شرعی الزم معہ کذا الی غایۃ کذا ابتلاء وفی ھذا لا تفاوت بین الدم

مانع کا استعمال اس معنی میں شائع و ذائع ہے، البتہ محقق نے اس کو اس کی حقیقت پر باقی رکھا ہے، تو نسبت کو لائے ہیں تو استظہار کی کوئی معقول وجہ نہیں، پھر اُس پر واضح ترین دلیل یہ ہے کہ بحر نے بھی اس تعریف میں فتح القدیر سے استفادہ کیا ہے، جیسا کہ اس کو ردالمحتار میں ذکر کیا ہے اور محقق نے فتح میں ابو یوسف اور حسن کی ابو حنیفہ سے روایت پر استدلال کیا ہے کہ مستعمل پانی نجاست غلیظہ ہے یا نجاست خفیفہ ہے، جس روایت میں اس کو نجاست قرار دیا گیا ہے وہ قیاس کی بنیاد پر ہے اس قیاس کی اصل وہ پانی ہے جو نجاست حقیقیہ میں مستعمل ہو، اور اس کی فرع وہ پانی ہے جو نجاست حکمیہ میں مستعمل ہو، اور علّتِ جامعہ نجاست میں استعمال ہے بنا کرتے ہوئے کہ وصف حقیقی ثبوت نجاست میں لغو ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حقیقی کا مفہوم یہ ہے کہ اس نجاست سے ایسا جسم متصف ہو جو بنفسہٖ مکلف سے مستقل ہو یہ نہیں کہ وصف نجاست حقیقۃً ایسے ہی جسم کے ساتھ قائم ہوتی ہے اور اس کے غیر میں مجاز ہے، بلکہ اس کے حقیقی معنی ایک ہیں اس جسم میں اور حدث میں، اس لیے کہ ہمیں تحقیقی طور پر جو معنی معلوم ہیں وُہ یہ ہیں کہ وہ ایک شرعی اعتبار ہے کہ جب تک وہ موجود ہو تو شارع نے اس کو جو اس کے ساتھ متصف ہو نماز و غیرہ کے قریب جانے سے منع کیا ہے تا وقتیکہ وہ اس میں پانی کو استعمال

---

[1] فتح القدیر بحث الماء المستعمل نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۴

والحدث فانہ ایضا لیس الا نفس ذلك الاعتبار[1] اھ فھذا نص صریح فی ان تلك المانعیۃ الشرعیۃ المغیاۃ الی استعمال المزیل لیست الا النجاسۃ الحکمیۃ فاتحد التعریفان۔

نہ کرے، جب وہ پانی استعمال کرے گا تو وہ اعتبار ختم ہوجائے گا، یہ سب طاعت کی ابتلاء ہے، رہی یہ بات کہ یہاں کوئی وصف عقلی حقیقی یا محسوس ہے، تو ایسی کوئی بات نہیں، اور جو اس کا دعوی کرتا ہے تو محض دعوی ہی ہے، اور اس کے اعتباری ہونے کی دلیل ہے کہ یہ شریعتوں کے مختلف ہونے سے مختلف ہوتا رہتا ہے، مثلاً شراب ہماری شریعت میں ناپاک ہے اور دوسری شریعتوں میں پاک ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ نجاست محض شرعی اعتبار ہے جو اتنی مدت تک کے لیے لازم کیا گیا ہے ابتلاءً اور اس میں خون اور حدث میں کوئی تفاوت نہیں کیونکہ یہ بھی ویسا ہی اعتبار ہے اھ تو یہ اس امر میں نص صریح ہے کہ یہ مانعیت شرعیہ جس کی انتہا مزیل کا استعمال ہے، نجاستِ حکمیہ ہی ہے تو دونوں تعریفیں متحد ہوگئیں۔ ت

ثم اقول التعریف بالحکم ان ارید بہ ان یجعل الحکم نفس المعرف بحیث یحمل ھو علی المعرف فنعم یسقط ایراد النھر والدر فان المانعیۃ بالمعنی المذکور ھی النجاسۃ الحکمیۃ لیست اثرا مترتبا علی الحدث بمعنی الوصف الشرعی بل ھی ھو کما عرفت وح لایستقیم ایضا قول المجیب ان التعریف بالحکم کأن یقال ھو ما لا تصح الصلاۃ معہ فان ما لا تصح لیس حکما بل الحکم کما اعترف عدم الصحۃ ولم یعرف بہ وانما یکون تعریفاً بالحکم لو قیل الحدث عدم صحۃ الصلاۃ ویتکدر ایضا جواب ط و ش بانہ مستعمل عند الفقھاء فان المستعمل عندھم ذکر الحکم فی التعریف لاحمل الاثر علی المؤثر وان ارید بہ ان

پھر میں کہتا ہوں تعریف بالحکم سے مراد اگر یہ ہے کہ حکم کو معرَّف بنا دیا جائے کہ وہ معرَّف پر محمول ہو تو نہر اور دُر کا اعتراض رفع ہوجائے گا، کیونکہ مانعیت بالمعنی المذکور یعنی نجاست حکمیہ کے معنی میں، حَدَث پر مترتب ہونے والا اثر نہیں ہے، یعنی وصف شرعی کے معنی میں بلکہ یہ وہی ہے جیسا کہ تم نے پہچانا۔ اور اس صورت میں مجیب کا یہ قول درست نہ ہوگا کہ تعریف بالحکم مثلاً یہ کہا جائے کہ حَدَث وہ ہے کہ جس کے ہوتے ہوئے نماز درست نہ ہو کیونکہ "وہ جس کے ہوتے ہوئے نماز صحیح نہ ہو" یہ جملہ حکم نہیں ہے بلکہ حکم جیسا کہ انہوں نے اعتراف کیا 'عدم صحت ہے' اور اس سے انہوں نے تعریف نہیں کی ہے، اور تعریف بالحکم اس صورت میں ہوتی جب یہ کہا جاتا کہ حَدَث نماز کا صحیح نہ ہونا ہے، اور ط و ش کا جواب بھی اس صورت میں مکدر ہوجائے گا کہ اس قسم کی تعریف فقہاء کے

---

[1] فتح القدیر بحث الماء المستعمل نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۵

يميز المحدود بذريعة الحكم بان يعطى انه الذى يؤثر هذا الاثر فنعم يستقيم تمثيل المجيب التعريف بالحكم بما ذكر لكن يسقط ح اصل جوابه بان المانعية ليست حكما فان التعريف بالحكم ليس اذن ان يكون المحمول عين الحكم بل ما ذكر فيه الحكم وهو حاصل فى التعريف المذكور قطعا لاشتماله على منع المكلف من اشياء مخصوصة مادام ذلك الوصف قائما به اٰتينا على الايراد وهو على هذا اشد سقوطا وابين غلطا فان الذى اختارہ المورِدون لايخلو ايضا عن التعريف بالحكم لذكرهم فيه زوال الطہارة وما هو الا الاثر المترتب على ذلك الوصف الشرعى واٰذن يكفى جوابا عن كلا الحدين ما ذكر ط و ش وبالجملة فايقاع التغاير بين الحدين لاداعى له واٰيراد النهر والدر لاصحة له وجواب القتال عن بعض الفضلاء لايخلو عن خلط وغلط بقى الكلام على المعنى الاول الذى ذكره العلامة قاسم وكيف تباينه للمعنى الثانى۔

یہاں مستعمل ہے، کیونکہ ان کے یہاں مستعمل تعریف میں حکم کا تذکرہ ہے نہ یہ کہ اثر کو مؤثر پر محمول کرلیا جائے، اور اگر اس سے یہ ارادہ کیا جائے کہ محدود کو بذریعہ حکم ممیز کیا جائے یعنی یہ کہا جائے کہ یہی ہے جو یہ اثر کر رہا ہے تو اس صورت میں مجیب کی یہ مثال جو انہوں نے تعریف بالحکم کے لیے پیش کی ہے درست قرار پائے گی، مگر اس وقت ان کا اصل جواب ختم ہوجائے گا، یعنی یہ کہ مانعیت حکم نہیں ہے کیونکہ تعریف بالحکم اس صورت میں یہ نہیں ہے کہ محمول عین حکم ہو، بلکہ یہ ہے کہ جس میں حکم مذکور ہو، اور یہ تعریف مذکور میں قطعاً موجود ہے، کیونکہ یہ تعریف اس پر مشتمل ہے کہ مکلّف کو مخصوص اشیاء سے روکنا جب تک کہ یہ وصف اس کے ساتھ قائم رہے۔ اب ہم اعتراض کی طرف آتے ہیں، اسکی صورت اور بھی زیادہ غلط اور ساقط ہے کیونکہ معترضین نے جو تعریف اختیار کی ہے وہ تعریف بھی تعریف بالحکم سے خالی نہیں ہے، کیونکہ وہ بھی اس میں زوالِ طہارت کا استعمال کرتے ہیں، اور وہ اُس وصفِ شرعی پر مرتب ہونے والا اثر ہے، ایسی صورت میں دونوں تعریفوں پر جو اعتراض ہے اُس کے جواب میں 'ط' اور 'ش' نے جو تقریر کی ہے وہ کافی ہے، اور خلاصہ یہ کہ دونوں تعریفوں میں تغایر کا قول کرنے کی کوئی وجہ موجود نہیں ہے، اور نہر اور دُر کا اعتراض درست نہیں ہے اور قتال نے جو جواب بعض فضلاء کی طرف سے دیا ہے وہ غلط اور خلط سے خالی نہیں ہے۔ اب اُس پہلے معنی پر گفتگو باقی رہ گئی جو علامہ قاسم نے ذکر کئے ہیں، اور یہ معنی دوسرے معنی سے کس طرح مختلف ہے۔ (ت)

فاقول المانع الشرعى اى ما لاجله المنع هى النجاسة الحكمية والمنتسب اليها تلبس المكلف بها والفرق بينهما ان النجاسة

میں کہتا ہوں مانع شرعی یعنی جس کی وجہ سے منع ہے وہ نجاست حکمیہ ہے، اور جو اس کی طرف منسوب ہے وہ مکلّف کا اُس کے ساتھ ملتبس ہونا ہے، اور

وصف شرعی یحل بسطوح الاعضاء الظاھرة
حلول سریان والسطح ممتد منقسم فتنقسم
النجاسة بانقسامها فتقبل التجزی ثبوتا ورفعا
اما رفعا فظاھر فانه اذا غسل الید مثلا زالت
النجاسة عنها ولذا اسقط عنها فرض التطھیر
مع بقاء النجاسة فی سائر الاعضاء التی حلتها واما
ثبوتا فلان الحدث الاصغر انما ینجس اربعة اعضاء
والاکبر البدن کله وسنعود الی الکلام فی ھذا
عنقریب ان شاء اللّٰه تعالٰی اما تلبس المکلف
بها ای اصطحابه لها فوصف للمکلف یحدث
بحلول النجاسة فی ای جزء من اجزاء بدنه
ویبقی ببقائها فی شیئ منها فان زادت النجاسة
لم یزد وان نقصت لم ینتقص بل اذا حدثت
حدث ومھما بقیت ولو اقل قلیل بقی کملا
واذا زالت بالکلیة زال وکان نظیرھا الحرکة
بمعنی القطع وبمعنی التوسط فالاول متجزئة
لانطباقها علی المسافة المتجزئة والثانیة
لاجزء لها بل تحدث بحدوث اول جزء من
اجزاء الاولی وتبقی بحالها مادام المتحرک بین
الغایتین فاذا اسکن زالت دفعا **فان قلت**
لم لا یحمل کلام البحر علی ھذا کی یثبت التغایر
بین الحدثین کما فھم النھر والدر ویوافق
لما اعترض به تبعا للفتح کلام العامة والمتون
ان الحدث لا یتجزی۔

دونوں میں فرق یہ ہے کہ نجاست شرعی وصف ہے جو اعضاً
ظاہرہ کی سطحوں کے ساتھ قائم ہوتا ہے ، اور یہ حلول
سریانی ہوتا ہے اور سطح ممتد اور منقسم ہے تو اس کی تقسیم
کی وجہ سے نجاست بھی منقسم ہوجائے گی ، تو یہ رفعاً اور
ثبوتاً تجزی کو قبول کرے گا ، رفعاً تو ظاہر ہے ، کیونکہ
مثلاً اس نے ہاتھ تین بار دھویا تو اس سے نجاست
زائل ہوجائے گی ، اور اسی لیے اس سے فرض تطہیر ساقط
ہوگیا جبکہ باقی اعضاً میں نجاست باقی ہے اور ثبوتاً
اس طرح کہ حدث اصغر چار اعضاء کو ناپاک کرتا ہے
اور اکبر تمام بدن کو ، ہم عنقریب اس پر کلام کریں گے
ان شاء اللہ تعالیٰ ۔

رہا نجاست کے ساتھ مکلف کا متلبس ہونا
تو یہ مکلف کا وصف ہے جو نجاست کے حلول سے پیدا ہوتا ہے ،
خواہ اس کے بدن کے کسی جزء میں بھی ہو ، اور حدث
اس وقت تک باقی رہے گا جب تک نجاست کسی
بھی عضو میں باقی رہے ، تو اگر نجاست زیادہ ہوجائے
تو حدث زیادہ نہ ہوگا ، اور نجاست اگر کم ہو تو حدث
کم نہ ہوگا ، بلکہ جب بھی نجاست وجود میں آئے گی
حدث وجود میں آئے گا اور جب تک باقی رہے گی خواہ
کم سے کم ہو تو حدث بھی مکمل طور پر باقی رہے گا اور جب نجاست
بالکلیہ زائل ہوجائے گی تو حدث بھی زائل ہوجائے گا
ان دونوں کی نظیر حرکت بمعنے قطع ہے اور حرکت بمعنے
توسط کے ہے ، تو پہلی منقسم ہے کیونکہ وہ مسافت
منقسمہ پر منطبق ہوتی ہے اور دوسری کا کوئی جزء نہیں
بلکہ پہلی حرکت کے پہلے جزء کے پیدا ہونے پر پیدا ہوتی ہے اور اسی طرح باقی رہتی ہے جب تک دونوں غایتوں کے درمیان

متحرک رہے اور جب پُرسکون ہوگا تو حرکت یک دم ختم ہوجائے گی۔ اگر تو کہے کہ بحر کے کلام کو اس پر کیوں محمول نہ کرلیا جائے تاکہ دونوں تعریفوں میں تغایر ظاہر ہوجائے جیسا کہ نہر اور دُر نے سمجھا ہے اور موافق ہوجائے اس اعتراض کے ساتھ جو انہوں نے فتح کی متابعت میں عام کتب اور متون پر کیا ہے کہ حَدَث منقسم نہیں ہوتا۔ (ت)

قلت یاباہ قولہ قائمۃ بالاعضاء فان التلبس الذی لاتجزی لہ انما یقوم بالمکلف نفسہ لابالاعضاء والذی یقوم بھا یتجزی بتجزیھا کما عرفت اما مخالفتہ لما ذکر من عدم التجزی فاقول لاغرو فھو القائل فی باب شروط الصلاۃ متصلا بھذا التعریف بلافصل مانصہ والخبث عین مستقذرۃ شرعا وقدم الحدث لقوتہ لان قلیلہ مانع بخلاف قلیل الخبث[1] اھ فقد افصح بتجزی الحدث وقال متبوعہ المحقق علی الاطلاق فی الفتح کلمتھم متفقۃ علی ان الخف اعتبر شرعا مانعا سرایۃ الحدث الی القدم فتبقی القدم علی طھارتھا ویحل الحدث بالخف فیزال بالمسح[2] اھ فھذا نص صریح علی تجزی الحدث و اعتراف باطباق کلمتھم علیہ وھو کذلک فمن نظر کلامھم فی مسائل مسح الخفین وغیرھا ایقن بانھم جمیعا قائلون بتجزیہ وانما الذی لایتجزی ھو تلبس المکلف بالمنع الشرعی فظھر ظھور النھار ان لا ایراد علی

میں کہتا ہوں اس تاویل سے ان کا قول "قائمۃ بالاعضاء" انکار کرتا ہے، کیونکہ تلبس جو ایک غیر متجزی شئی ہے، وہ بذاتِ خود مکلّف کے ساتھ قائم ہوتا ہے نہ کہ اُس کے اعضاء کے ساتھ، اور جو چیز اعضاء کے ساتھ قائم ہے وہ اعضاء کی تجزی کے باعث متجزی ہوتی ہے جیسا کہ آپ نے پہچانا اور اس کی مخالفت عدم تجزی سے، تو میں کہتا ہوں کہ اس پر کوئی تعجب نہ ہونا چاہیے کیونکہ وُہ خود ہی اس تعریف کے متصلا بعد "باب شروط الصلٰوۃ" میں فرماتے ہیں "اور خُبث وُہ چیز ہے جو شرعاً گندی ہو اور حدث کو اس کی قوت کے باعث مقدم کیا کیونکہ اس کا قلیل بھی مانع ہے بخلاف قلیل خبث کے" اھ یہاں انھوں نے بوضاحت حدث کے منقسم ہونے کا قول کیا ہے، اور اُن کے مقتدا محقق علی الاطلاق نے فتح میں فرمایا تمام فقہاء اس پر متفق ہیں کہ موزہ شرعاً قدم کی طرف حدث کی سرایت کو قدم تک روکنے والا ہے" تو قدم بدستور پاک رہے گا اور حدث موزہ میں داخل ہوجائے گا، لہٰذا مسح سے اس کو زائل کردیا جائے گا اھ یہ نص صریح ہے حدث کے متجزی ہونے پر اور اس امر کا اعتراف ہے کہ فقہاء اس پر متفق ہیں، اور بات

---

[1] بحرالرائق شروط الصلوٰۃ سعید کمپنی کراچی ١/٢٦٦
[2] فتح القدیر مسح الخفین سکھر ١/١٢٨

المتون والعامۃ وتثلیث السبب کلا کان فی غیر محلہ ولاحاجۃ الی ماتجشم البحر جوابا عن المتون بقولہ الا ان یقال ان الحدث زال عن العضو زوالا موقوفا ثم ضعفہ بقولہ لکن المعلل بہ فی کتاب الحسن عن ابی حنیفۃ اسقاط الفرض لا ازالۃ الحدث[1]۔

ایسی ہے کیونکہ جو بھی مسح علی الخفین کی بابت فقہاء کے کلام کو دیکھے گا اس کو یقین آجائے گا کہ سب فقہاء حدث کے متجزی ہونے کے قائل ہیں، اور جو چیز متجزی نہیں ہوتی ہے وہ مکلف کا منع شرعی سے متصف ہونا ہے، تو روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ متون اور عام کتب پر اعتراض اور سبب کی تثلیث سب بے محل ہیں اور جو تکلف بحر نے متون کے جواب میں کیا ہے اس کی چنداں حاجت نہیں، جواب یہ ہے کہ" مگر یہ کہ کہا جائے کہ حدث عضو سے زوالِ موقوف کے طور پر زائل ہوا ہے، پھر خود ہی اس کو ضعیف قرار دیا اور فرمایا کہ حسن کی کتاب میں ابوحنیفہ سے اسقاط فرض کو علت بنانا مروی ہے نہ کہ ازالہ حدث کو۔ (ت)

اقول بل لاوجہ لہ لان الحدث بالمعنی الذی لایتجزی اعنی تلبس المکلف بالمانع الشرعی لاقیام لہ بعضو حتی یزول عنہ منجزا اوموقوفا ثم تعلیل الامام فی ھذا الکلام باسقاط الفرض لاینافی تعلیلہ فی کلام اٰخر برفع الحدث علی ما قررنا لک بارشاد الھدایۃ ان مؤداھما واحد وقد قال فی الخلاصۃ والتبیین والفتح وغیرھا الماء بماذا یصیر مستعملا قال ابوحنیفۃ وابویوسف اذا ازیل بہ حدث او تقرب بہ[2] الخ وباللّٰہ التوفیق ثم جنح المحقق فی اٰخر کلامہ الذی اثرنا عنہ الی ان سقوط الفرض ھو الاصل فی الاستعمال اعتمدہ فی البحر ثم الدر واشار الی الرد علیہ

میں کہتا ہوں دراصل اس کی کوئی وجہ ہی نہیں ہے، کیونکہ حدث اُس معنی کے اعتبار سے جس میں وہ منقسم نہیں ہوتا ہے یعنی مکلف کا مانع شرعی کے ساتھ متلبس ہونا، اس کا قیام کسی عضو کے ساتھ نہیں، تاکہ وہ اس سے فوری طور پر یا موقوفاً زائل ہوجائے، پھر امام کا اس کلام میں اسقاط فرض کے ساتھ تعلیل کرنا، ان کے دوسرے کلام میں رفع حدث کی علت بنانے سے متضاد نہیں، جیسا کہ ہم نے ہدایہ کی عبارت سے واضح کردیا ہے کہ دونوں کا ماحصل ایک ہی ہے، اور خلاصہ، تبیین، فتح وغیرہا میں ہے کہ پانی کا مستعمل ہونا ابوحنیفہ اور ابویوسف کے نزدیک اس وقت ہوگا جب اس سے کوئی حدث زائل کیا جائے یا کوئی تقرب کیا جائے الخ۔ باللہ التوفیق پھر محقق کا جو کلام ہم نے نقل کیا ہے

---

[1] بحرالرائق بحث الماء المستعمل سعید کمپنی کراچی ۱/۹۲

[2] خلاصۃ الفتاوٰی " نولکشور لکھنؤ ۱/۱۷

العلامة ش بان نقل اولا عن الفتح نفسه ان المعلوم من جهة الشارع ان الآلة التى تسقط الفرض وتقام بها القربة تدنس الخ و ايضا عنه ما نصه والذى نعقله ان كلا من التقرب والاسقاط مؤثر فى التغير الا ترى انه انفرد وصف التقرب فى صدقة التطوع واثر التغير حتى حرمت على النبى صلى الله تعالى عليه وسلم فعرفنا ان كلا اثر تغيرا شرعیا اھ ثم قال بعد نقلهما مقتضاه ان القربة اصل ايضا فالمؤثر فى الاستعمال اصلان اھ۔

اس میں ان کا میلان اس طرف ہے کہ پانی کے استعمال سے سقوط فرض ہی اصل ہے بحر اور دُرر نے اسی پر اعتماد کیا ہے اور علامہ ش نے اس پر رد کی طرف اشارہ کیا ہے، پہلے تو انہوں نے خود ہی فتح سے نقل کیا کہ شارع سے معلوم ہے کہ وہ آلہ جس سے فرض ساقط ہو اور قربۃ ادا ہو میلا ہوجاتا ہے الخ انھوں نے مزید فرمایا کہ جو ہم سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ تقرب اور اسقاط فرض دونوں ہی تغیر میں مؤثر ہیں، مثلاً وصف تقرب صدقہ تطوع میں منفرد ہے اور تغیر نے اثر کیا یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حرام ہوگئی، تو ہمیں معلوم ہوا کہ ہر ایک نے شرعی تغیر کا اثر چھوڑا ہے اھ پھر دونوں کو نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ اس کا مقتضی یہ ہے کہ قربۃ بھی اصل ہے تو استعمال میں مؤثر دو اصلیں ہیں اھ ت

اقول کلام المحقق من اوله الى اخره طافح باثبات الاصالة بهذا المعنى اى ما يبتنى عليه الحكم بتدنس الماء للقربة والاسقاط جميعا بل هو الذى ثلث واقام اصولا ثلثة وما كان ليقرر هذا كله ثم فى نفس الكلام يحصر الاصالة فى شئ واحد وانما منشؤ كلامه انه رحمه الله تعالى نقل عنهم ان الاستعمال عند الشيخين باحد شيئين رفع الحدث والتقرب وعند محمد بالتقرب وحده وحمل رفع الحدث على المعنى الذى لايتجزى فتطرق

میں کہتا ہوں محقق کا کلام از اول تا آخر سطحی ہے کہ اس میں اصالت اس معنی کے اعتبار سے ثابت کی ہے، یعنی وہ چیز جس پر حکم کی بنا ہو، پانی کے ادائے قربت کی وجہ سے میلا ہوجانے کے باعث اور اسقاطِ فرض کے باعث، بلکہ وہی ہیں جنہوں نے تثلیث کی اور تین اصول مقرر کئے، اور وہ یہ تقریر کرکے پھر ان میں سے ایک چیز پر اصالت کو منحصر نہیں کر رہے ہے، اُن کے کلام کا اصل مقصد یہ ہے کہ وہ اُن (رحمہم اللہ) سے یہ نقل کر رہے ہیں کہ شیخین کے نزدیک استعمال دو چیزوں میں سے ایک کی وجہ سے

ل رد المحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۶

ل فتح القدیر باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء ولا یجوز نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۵

الایراد بالفروع التی حکم فیها باستعمال الماء مع
بقاء الحدث فقرر ان اسقاط الفرض ایضا
مؤثر واستدل علیه بکلام الامام فی کتاب
الحسن وبان الاصل الذی عرفنا به هذا
الحکم هو مال الزکاة والثابت فیه لیس الا سقوط
الفرض ای وان اثبتناه ایضا بالتقرب بدلیل
آخر فالاصل الذی ارشدنا اولا الی هذا الحکم
هو سقوط الفرض فکیف یعزل النظر عنه بل
یجب القول به وهذا لاینافی ان الاصول
اثنان بل ثلثة ینقدح هذا المعنی فی ذهن
من جمع اول کلامه باٰخره حیث یقول
المعلوم من جهة الشارع ان آلة تسقط الفرض
وتقام بها القربة تتدنس اصله مال الزکاة
تدنس باسقاط الفرض حتی جعل من الاوساخ
فی لفظه صلی اللّٰه تعالی علیه وسلم اهـ[1] فافصح
ان کلا الامرین مغیر واقتصر فی الزکوٰة علی
الاسقاط ثم قال فی بیان سبب ثبوت الاستعمال
انه عند ابی حنیفة وابی یوسف کل من رفع
الحدث والتقرب وعند محمد التقرب وعند
زفر الرفع لایقال ما ذکر لاینهض علی زفر
اذ یقول مجرد القربة لا یدنس بل الاسقاط
فان المال لم یتدنس بمجرد التقرب به ولذا
جاز للهاشمی صدقة التطوع بل مقتضاه ان لا

ہوتا ہے، رفع حدث اور تقرب، اور محمد کے نزدیک صرف
تقرب سے اور رفع حدث کو اس معنی پر محمول کیا کہ اس
میں تجزّی نہیں ہوتی، اس بنا پر اُن فروع کی وجہ سے
اعتراض وارد ہوا جن میں پانی کے استعمال کا حکم ہوا
حدث کے باقی ہوتے ہوئے، انہوں نے اس امر کو ثابت
کیا اسقاط فرض بھی مؤثر ہے، اور اس پر انہوں نے
امام کے کلام سے استدلال کیا ہے جو کتاب حسن میں مذکور ہے، اور یہ
استدلال بھی کیا ہے کہ وہ اصل جس کی وجہ سے ہم نے یہ حکم جانا ہے وہ زکوٰۃ
کا مال ہے اور اس میں صرف فرض کا سقوط ہے، یعنی
اگرچہ ہم اس کو کسی اور دلیل کی وجہ سے تقرب سے ثابت
کریں تو وہ اصل جو ہم نے پہلے سے بتائی ہے اور جس
سے یہ حکم ثابت ہوا ہے وہ سقوط فرض ہے تو اس سے
صرفِ نظر کیونکر ممکن ہے بلکہ اس کو ماننا لازم ہے، اور
یہ اس امر کے منافی نہیں کہ اصول دو ہیں بلکہ تین ہیں
یہ معنی اس کے دل میں ضرور خلجان پیدا کریں گے جو اُن کے
اول کلام اور آخر کلام کو یکجا کرکے پڑھے گا، وہ کہتے ہیں
کہ وہ آلہ جس سے فرض ساقط ہوتا ہے اور قربت
ادا ہوتی ہے میلا ہوجاتا ہے اس کی اصل مال
زکوٰۃ ہے کہ وہ اسقاط فرض سے میلا ہوجاتا ہے اسی لئے
اس کو حدیث میں "اوساخ" قرار دیا گیا ہے الخ اس
سے واضح ہوا کہ دونوں امور تبدیلی کرنے والے ہیں،
اور زکوٰۃ میں اسقاط پر اکتفاء کیا گیا ہے، پھر ثبوت
استعمال کے سبب کے بیان میں فرمایا کہ ابو حنیفہ اور
ابو یوسف کے نزدیک سبب رفع حدث اور تقرب ہے

---

[1] فتح القدیر الماء الذی یجوز بہ الوضوء ومالا یجوز نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۵

یصیر مستعملا الا بالاسقاط مع التقرب فان الاصل اعنی مال الزکاۃ لاینفرد فیہ الاسقاط عنہ اذ لا تجوز الزکاۃ الا بنیۃ ولیس ـــــ ہو قول واحد من الثلثۃ (یرید اصحاب الاقوال الثلثۃ الشیخین ومحمدا او زفر) لانا نقول غایۃ الامر ثبوت الحکم فی الاصل مع المجموع وھو لا یستلزم ان المؤثر المجموع بل ذلک دائر مع عقلیۃ المناسب للحکم فان عقل استقلال کل حکم بہ او المجموع حکم بہ والذی نعقلہ ان کلا مؤثر الی اخر ما تقدم ثم قال قال فی الخلاصۃ ان الماء بماذا یصیر مستعملا (فذکر المذھبین کما نقلنا ثم قال) ھذا یشکل علی قول المشایخ ان الحدث لا یتجزأ والمخلص ان صیرورۃ الماء مستعملا باحد ثلثۃ رفع الحدث والتقرب وسقوط الفرض وھو الاصل لما عرف ان اصلہ مال الزکاۃ والثابت فیہ لیس الا سقوط الفرض۔

اور محمد کے نزدیک وہ تقرب ہے اور زفر کے نزدیک رفع ہے یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ یہ دلیل زفر کے خلاف نہیں چل سکتی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ صرف قربت پانی کو مستعمل نہیں کرتی ہے بلکہ اسقاط بھی اس میں شامل ہے، کیونکہ مال زکوٰۃ محض تقرب کی وجہ سے میلا نہیں ہوا ہے، اور اسی لیے ہاشمی نفل صدقے لے سکتا ہے بلکہ اس کا مقتضی یہ ہے کہ اسقاط مع تقرب کی وجہ سے مستعمل ہو کیونکہ اصل یعنی مال زکوٰۃ میں اس کی طرف سے اسقاط منفرد نہیں، کیونکہ زکوٰۃ بلانیت جائز نہیں اور یہ تینوں میں سے کسی ایک کا قول نہیں (اس سے ان کی مراد تینوں اقوال کے قائلین یعنی ابو حنیفہ و ابو یوسف، محمد یا زفر رحمہم اللہ ہیں) کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ حکم کا اصل مجموع کے ساتھ ثابت ہوتا ہے اور وہ اس امر کو مستلزم نہیں ہے کہ موثر مجموع ہے بلکہ اس کا دارومدار اس پر ہے کہ مناسب حکم کو سمجھا جائے، اگر ہر حکم کا استقلال اس کے ساتھ سمجھا جائے یا مجموع کا تو اس کے ساتھ حکم کیا جائے گا اور جو ہم سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہر ایک موثر ہے الی آخر ما تقدم، پھر کہا کہ انہوں نے خلاصہ میں فرمایا کہ پانی کس چیز کی وجہ سے مستعمل ہوتا ہے (تو انھوں نے دونوں مذاہب کا ذکر کیا ہے جیسا کہ ہم نے نقل کیا پھر فرمایا) یہ مشایخ کے قول کی روشنی میں مشکل ہے کہ حدث متجزی نہیں ہوتا، اور اس اشکال سے نجات کی صورت تین امور میں سے ایک امر ہے رفع حدث، تقرب اور سقوط فرض ہی اصل ہے، کیونکہ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اس کی اصل مال زکوٰۃ ہے اور اس میں جو ثابت ہے وہ سقوط فرض ہے۔ ت

اقول ای وان کان الموجود فیہ الامران لکن ھذا اقوی وفیہ المقنع فلا یثبت بہ الا

میں کہتا ہوں اگرچہ اس میں موجود دونوں امر ہیں لیکن یہ اقوی ہے اور اس میں کفایت ہے، تو

لے فتح القدیر الماء الذی یجوز بہ الوضوء ومالا یجوز نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۷۶

سببیۃ ھذا وان استفید سببیۃ الاخر بدلیل حرمۃ صدقۃ التطوع علیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کما قدم فتاثیر اسقاط الفرض ھو اول ما ثبت بالاصل الاعظم فلا مساغ لاسقاطہ قال والمفید لاعتبار الاسقاط مؤثرا صریح تعلیل ابی حنیفۃ انہ سقط فرضہ عنہ[1] اھ ملتقطا وعلیک بتلطیف القریحۃ ھذا وقرر العلامۃ ط تبعا للبحر بوجہ اٰخر حیث قال تحت قول الدر اسقاط فرض ھو الاصل فی الاستعمال کما نبہ علیہ الکمال ما نصہ وھو موجود فی رفع الحدث حقیقۃ وفی القربۃ حکما لکونہا بمنزلۃ الاسقاط ثانیا وقد مر اھ[2] وما مر ھو قولہ انما استعمل الماء بالقربۃ کالوضوء علی الوضوء لانہ لما نوی القربۃ فقد ازداد طہارۃ علی طہارۃ فلا تکون طہارۃ جدیدۃ الا بازالۃ النجاسۃ الحکمیۃ حکما فصارت الطہارۃ علی الطہارۃ وعلی الحدث سواء[3] افادہ صاحب البحر اھ۔

اس سے اس کی سببیت ثابت ہوگی، اگرچہ دوسرے کی سببیت بھی ثابت ہوگی، اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر نفل صدقہ حرام ہے جیسا کہ گزرا، تو اسقاط فرض کی تاثیر پہلی چیز ہے جو اصل اعظم سے ثابت ہے تو اس کے ساقط کرنے کا کوئی جواز نہیں (فرمایا) اور اسقاط کو مؤثر اعتبار کرنے کے لیے مفید امام ابو حنیفہ کی صریح تعلیل ہے کہ اسکا فرض اس سے ساقط ہوگیا اھ ملتقطا، اور تم اپنی طبیعت کو خوشگوار کرو، "ہذا" اور علامہ ط نے بحر کی متابعت کرتے ہوئے اس کی تقریر دوسرے انداز میں کی ہے، انہوں نے "در" کے قول اسقاط فرض ہی استعمال میں اصل ہے کے تحت فرمایا، جیسا کہ کمال نے اس پر تنبیہ فرمائی ہے کہ یہ حدث کو رفع کرنے میں حقیقۃً موجود ہے اور قربت میں حکماً ہے، کیونکہ یہ بمنزلہ اسقاط ثانیا ہے اور یہ گزرا اھ اور جو گزرا وہ ان کا قول ہے، بیشک پانی قربت کی وجہ سے مستعمل ہوتا ہے، جیسے وضو پر وضو کرنا اس لیے جب قربت کا ارادہ کیا تو وہ طہارت کے اعتبار سے زیادہ ہوگیا، تو نئی طہارت نجاست حکمیہ کے ازالہ سے ہی ہوگی حکماً، تو طہارت پر طہارت، اور حدث پر طہارت برابر ہوگئی، اس کا افادہ صاحب بحر نے کیا اھ ت

اقول نقلہ عن معراج الدرایۃ واقرہ وفیہ بعد لا یخفی فان النجاسۃ لاسیما الحکمیۃ

میں کہتا ہوں اس کو معراج الدرایہ سے نقل کیا اور برقرار رکھا، اس میں بُعد ہے جو مخفی نہیں ہے کیونکہ

۱؎ فتح القدیر بحث الماء المستعمل نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۹-۸۰

۲؎ طحطاوی علی الدر باب المیاہ بیروت ۱/۱۱۰

۳؎ بحر الرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۹۲

الا اعتبار شرعی والاعتبار الصحیح لایکون الا عن منشأ صحیح وبدونه اختراع یجل شان الشرع عنه وقد زال ذلك بالطهر فلا یعود الا بحدث جدید وبعبارة اخری هل اعتبر الشرع هنا شیئا ینافی الطهر یزول بالماء الثانی فیحصل طهر جدید ام لا علی الثانی عاد السؤال اذ لانجاسة حقیقة ولا اعتبار او علی الاول ما حقیقة النجاسة الحکمیة الا ذلك الاعتبار الشرعی فلا معنی لتحقق الحکمیة حکما لا حقیقة وبعبارة اخصر ما الحکمیة الا اعتبار الشرع فالحکمیة حکما اعتبار الشرع انه اعتبر وما اعتبر اذ لو اعتبر لتحققت وبالجملة ما مآل الجواب الا فرضها هنالك فرضا باطلا ولا مساغ له وانا انبئك ان ما افاده انما هو تجشم مستغنی عنه وذلك لان المعراج انما احتاج الیه جوابا عن سؤال نصبه بقوله فان قیل المتوضئ لیس علی اعضائه نجاسة لا حقیقة ولا حکمیة فکیف یصیر الماء مستعملا بنیة القربة فاجاب بقوله لما نوی القربة فقد ازداد الخ[1]

نجاست، خاص طور پر حکمیہ اعتبار شرعی ہے اور اعتبار صحیح اسی وقت ہوتا ہے جب اس کا منشا صحیح ہو اور اس کے بغیر اختراع ہے، شریعت کی شان اس سے بڑی ہے، اور یہ طُہر سے زائل ہوگیا تو صرف نئے حدث سے ہی یہ عود کرے گا، بالفاظ دگر کیا یہاں شریعت نے کوئی ایسی چیز معتبر مانی ہے جو منافی طہر ہو اور دوسرے پانی سے زائل ہوجائے، تو نئی پاکی حاصل ہو یا معتبر نہیں مانی ہے؟ دوسری تقدیر پر سوال لوٹ آئیگا کیونکہ کوئی حقیقی نجاست نہیں اور نہ ہی اعتباری ہے اور پہلی تقدیر پر نجاست حکمیہ کی حقیقت شرعی اعتبار کے علاوہ اور کیا ہے تو یہ کہنا بے معنی ہے کہ نجاست حکمیہ حقیقۃً نہیں حکماً پائی جاتی ہے اور مختصر عبارت میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ نجاست حکمیہ صرف شرعی اعتبار سے عبارت ہے تو حکمیہ حکما شرع کا یہ اعتبار ہے کہ اس کا اعتبار کیا گیا ہے اور اعتبار کیا نہیں گیا کیونکہ اگر اعتبار کیا جاتا تو وہ متحقق ہوجاتی۔ خلاصہ یہ کہ جواب کا مآل یہ ہے کہ حکمیہ کو وہاں اعتبار کیا جائے بغرض باطل جس کی گنجائش نہیں، اور میں تجھ کو خبردار کرتا ہوں کہ جس کا افادہ انہوں نے کیا ہے وہ محض تکلف ہے جس کی ضرورت نہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ معراج کو اس کی ضرورت اس لیے پڑی کہ انہیں اس سوال کا جواب دینا ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ وضو کرنے والے کے اعضا پر نہ حقیقی نجاست ہے اور نہ حکمی ہے تو پانی بہ نیت تقرب کیسے مستعمل ہوجائے گا، تو انہوں نے جواب دیا کہ جب اس نے نیت کی تو زیادتی کی الخ۔ (ت)

---

[1] بحرالرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۹۲

اقول اولا یعود السائل یمنع ازدیاد الطھارۃ وانما ازداد نظافۃ لانھا تقبل التشکیک دون الطھارۃ ولذا قلنا بعدم تجزّی الحدث والی ازدیاد النظافۃ یشیر الحدیث المشھور الوضوء علی الوضوء نور علی نور اخرجہ رزینٌ قال العراقی والمنذری لم نقف علیہ کما فی التیسیر وثانیا [ف۱] لامساغ للسؤال رأسا فان مبناہ علی حصر النجاسۃ الحکمیۃ فی الحدث ولیس کذا بل منھا المعاصی کما تقدمت النصوص علیہ والماء الاول وان کان کما یزیل الحدث یغسل من اثر المعاصی ایضا بشرط النیۃ ولکن لا یجب ان یزیلھا کلًّا والا لکفی الوضوء عن التوبۃ وصار کل من توضأ مرۃ ولو بعد الف کبیرۃ کمن لا ذنب لہ وھو باطل قطعا فھذہ نجاسۃ حکمیۃ باقیۃ بعد التطھیر فی عامۃ المکلفین فاین مثار السؤال بل قدمنا [ف۲] ان المکروھات ایضا تغیر الماء فھذا اطم واعم اما المعصومون صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیھم فاقول [ف۳] لا نسلم فی مائھم الاول ایضا انہ مستعمل فی حقنا بل طاھر طھور مطھر لنا فضلا عن الثانی واذا اعتقدنا الطھارۃ فی فضلاتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فما ظنک بوضوئہ فالاستدلال [ف۴] علی طھارۃ الماء المستعمل بان اصحابہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بادروا الی وضوئہ فمسحوا بہ وجوھھم

میں کہتا ہوں اولاً کہ سائل کہہ سکتا ہے کہ ہم طہارت کی زیادتی کو تسلیم نہیں کرتے اس میں نظافت کا اضافہ تو اس لیے ہے کہ نظافت کمی بیشی کو قبول کرتی ہے، مگر طہارت ایسی نہیں اور اسی لیے ہم نے کہا ہے کہ حدث میں تجزّی نہیں ہے، اور نظافت میں اضافہ کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے کہ وضو پر وضو نورٌ علٰی نور ہے، اس کی تخریج رزین نے کی ہے اگرچہ عراقی اور منذری نے کہا ہے کہ ہم اس پر مطلع نہیں ہوئے ہیں کما فی التیسیر۔

ثانیاً سوال کی گنجائش ہی نہیں، کیونکہ اس سوال کا دارومدار اس پر ہے کہ نجاستِ حکمیہ کو حدث میں منحصر کردیا گیا ہے اور حالانکہ بات یہ نہیں ہے، بلکہ نجاستِ حکمیہ میں معاصی بھی شامل ہیں، اس پر نصوص گزر چکے ہیں، اور پہلا پانی جس طرح حدث کو زائل کرتا ہے بشرطِ نیت گناہوں کو بھی دھو ڈالتا ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ گناہوں کو کلیۃً دھو ڈالے ورنہ تو وضو ہی کافی ہوجاتا توبہ کی ضرورت ہی نہ ہوتی اور ہزارہا گناہوں کے بعد ایک ہی مرتبہ وضو کرلیتا تو تمام گناہ معاف ہوجاتے، اور وہ اس طرح ہوجاتا گویا اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں ہے، اور یہ چیز قطعاً باطل ہے تو یہ وہ نجاستِ حکمیہ ہے جو مکلفین میں طہارت حاصل کرنے کے بعد بھی باقی رہتی ہے، تو اب سوال کیسے پیدا ہوسکتا ہے، بلکہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ مکروہات بھی پانی کو متغیر کردیتے ہیں تو یہ بلند اور اعم ہے۔ رہے انبیاء علیہم السلام جو معصوم ہیں تو ہم یہ تسلیم نہیں کرتے

کما فی العنایۃ[1] وغیرھا مع ضعفہ بوجوہ ذکرھا فی البحرعن العلامۃ الھندی لیس فی محلہ عندی نعم یعتبر مستعملا فی حقھم شرعا فلا یرد علی الحد نقضا کما اعتبرت فضلاتھم نواقض لعظم رفعۃ شأنھم ونزاھۃ مکانھم صلوات اللّٰہ تعالٰی وسلامہ علیھم۔

کہ ان کا پہلا پانی ہمارے حق میں مائے مستعمل ہے بلکہ وہ ہمارے حق میں پاک ہے اور پاک کرنے والا ہے اور جب پہلے پانی کا یہ حال ہے تو دوسرے پانی کا بطریق اولٰی یہ حال ہوگا، اور ہم تو انبیاء علیہم السلام کے فضلات کی طہارت کے قائل، تو وضو کے پانی کا کیا ذکر ہے۔ بعض حضرات نے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مستعمل پانی کی طہارت پر اس امر سے استدلال کیا ہے کہ آپ کے اصحاب نے اس پانی کی طرف سبقت کی اور اس کو اپنے چہروں پر ملا، جیسا کہ عنایہ وغیرہ میں ہے، بوجوہ ضعیف ہے، یہ وجوہ بحر میں علامہ ہندی سے نقل کی گئی ہیں، میرے نزدیک وہ برمحل نہیں، ہاں ان کے حق میں شرعًا مستعمل ہوگا، تو اس سے ماءِ مستعمل کی حد پر نقض وارد نہ ہوگا، اسی طرح ان کے فضلات کو نواقضِ وضو میں شمار کیا گیا ہے کیونکہ ان کی شان بہت عظیم ہے اور ان کا مقام بہت ستھرا ہے صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہم۔ (ت)

تنبیہ اختلفوا فی الحدث الاصغر ھل یحل کالاکبر بظاھر البدن کلہ وانما جعل الشرع الوضوء رافعالہ تخفیفا ام لا الا بالاعضاء الاربعۃ ویبتنی علیہ الخلاف فیما اذا غسل المحدث نحو فخذہ فیصیر الماء مستعملا علی الاول دون الثانی وبالعدم جزم فی کثیر من المتداولات ونص فی الخلاصۃ انہ الاصح فکان ترجیحا للقول الثانی ولذا عولنا علیہ وفی المنحۃ[2] عن النھر وکان الراجح ھو الثانی ولذا لو یصر الماء مستعملا بخلافہ علی الاول اھ والظاھر ان کان مشددۃ فیعطی ترددا فی ترجیحہ۔

تنبیہ حدثِ اصغر کی بابت اختلاف ہے کہ آیا وہ بھی تمام بدن میں حدثِ اکبر کی طرح حلول کرتا ہے، اور شارع نے وضو کو اس کے لیے رافع تخفیفا قرار دیا ہے یا نہیں؟ ہاں اعضاءِ اربعہ میں ایسا ہے اور اسی پر یہ اختلاف مبنی ہے کہ بے وضو شخص نے اگر اپنی ران کے مثل کو دھویا تو پہلے قول پر پانی مستعمل ہوجائے گا دوسرے قول پر نہ ہوگا، اور مستعمل نہ ہونے پر بہت سی متداول کتب میں اعتماد کیا گیا ہے اور خلاصہ میں تصریح کی ہے کہ یہی اصح ہے تو یہ قول ثانی کی ترجیح ہے، اسی لیے ہم نے اس پر اعتماد کیا ہے اور منحہ میں نہر سے ہے کہ راجح دوسرا ہے اور اسی لیے پانی مستعمل نہ ہوگا، اس کے برعکس ہے پہلی صورت میں اھ اور ظاہر یہ ہے کہ کانَ مشدّد ہے

---

[1] العنایۃ مع فتح القدیر باب الماء الذی یجوز بہ وما لا یجوز نوریہ رضویہ سکھر ۷۶/۱

[2] منحۃ الخالق مع البحر کتاب الطہارت ۹۲/۱

اقول وقد یجوز ان یقول قائل ربما یشھد للاول[1] اولا حدیث اذا تطھر احدکم فذکر اسم اللہ علیہ فانہ یطھر جسدہ کلہ فان لم یذکر اسم اللہ تعالٰی علٰی طھورہ لم یطھر الاما مر علیہ الماء رواہ الدارقطنی والبیھقی فی سننہ والشیرازی فی الالقاب عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ قال البیھقی بعد ما ساقہ بطریق یحیی بن ھاشم السمسار ثنا الاعمش عن شقیق بن سلمۃ عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقول فذکرہ ھذا ضعیف لااعلم رواہ عن الاعمش غیر یحیی بن ھاشم[2] وھو متروک الحدیث ورماہ ابن عدی بالوضع اھ وکذبہ ابن معین و صالح جزرۃ وقال النسائی متروک وبہ اعلہ المحقق فی الفتح حین کلامہ علی وجوب التسمیۃ فی الوضوء تبعا للبیھقی۔

تو اس سے اس کی ترجیح میں تردد پیدا ہوگا، میں کہتا ہوں یہ بھی جائز ہے کہ کوئی کہنے والا کہے کہ پہلے قول کی دلیل یہ حدیث ہے کہ جب تم میں سے کوئی پاکی حاصل کرے اور اللہ کا نام لے تو اس کا پورا جسم پاک ہوجائے گا اور اگر اللہ کا نام نہ لے تو صرف وہی عضو پاک ہوگا جس پر پانی گزرا ہو روایت کیا الدارقطنی اور البیھقی نے اپنی سنن میں اور الشیرازی نے القاب میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیہقی نے یہ حدیث بسند یحیٰی بن ہاشم السمسار ذکر کی ہے، ہم سے اعمش نے شقیق بن سلمہ سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، پھر پوری حدیث ذکر کی یہ ضعیف ہے، میں نہیں جانتا کہ اس کو اعمش سے یحیٰی بن ہاشم کے غیر نے روایت کیا، اور وہ متروک الحدیث ہے، اور اس کو ابن عدی نے وضاع قرار دیا اھ ابن معین اور صالح نے اس کی تکذیب کی اور نسائی نے اس کو متروک کہا اور یہی علت محقق نے فتح میں بیان کی، یہ اس موقع پر ہے جہاں انہوں نے وضو میں بسم اللہ کے وجوب کا ذکر کیا بیہقی کی متابعت میں۔ ت

اقول بل لہ طرق[3] ترفعہ عن الوھن فقد رواہ الدارقطنی والبیھقی ایضا عن ابن عمر وھما وابو الشیخ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم ولفظہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی

میں کہتا ہوں اس حدیث کے بعض طرق ایسے ہیں جو اس کی کمزوری کو رفع کرتے ہیں، دارقطنی اور بیہقی نے بھی اس کو ابن عمر سے روایت کیا، اور انہی دونوں نے اور ابوالشیخ نے ابوہریرہ سے روایت

---

[1] دارالقطنی باب التسمیۃ علی الوضوء مطبع القاہرہ ۱/۷۳

[2] سنن الکبرٰی للبیہقی تسمیۃ علی الوضوء بیروت ۱/۴۴

علیہ وسلم من توضأ و ذکر اسم اللہ علی وضوئہ تطہر جسدہ کلہ و من توضأ و لم یذکر اسم اللہ علی وضوئہ لم یتطہر الا موضع الوضوء[1] ورواہ عبد الرزاق فی مصنفہ عن الحسن الضبی الکوفی مرسلا ینمیہ الی النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم من ذکر اللہ عند الوضوء طہر جسدہ کلہ فان لم یذکر اسم اللہ لم یطہر منہ الا ما اصاب الماء[2] واخرج ابوبکر بن ابی شیبۃ فی مصنفہ عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالی عنہ انہ قال اذا توضأ العبد فذکر اسم اللہ تعالی طہر جسدہ کلہ وان لم یذکر لم یطہر الا ما اصابہ الماء[3] وروی سعید بن منصور فی سننہ عن مکحول قال اذا تطہر الرجل و ذکر اسم اللہ طہر جسدہ کلہ واذا لم یذکر اسم اللہ حین یتوضأ لم یطہر منہ الا مکان الوضوء[4] ومع ہذہ الطرق یستحیل الحکم بالسقوط بل ربما یرتقی عن الضعف لاجرم ان صرح فی المرقاۃ لحدیث الدارقطنی ان سندہ حسن وثانیا نقل العلامۃ الزیلعی المحدث جمال الدین عبد اللہ تلمیذ الامام

کیا، ان کے لفظ یہ ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے بسم اللہ کرکے وضو کیا تو اس کا سارا جسم پاک ہوگا اور جس نے وضو کے وقت بسم اللہ نہ پڑھی تو صرف وضو کی جگہ ہی پاک ہوگی اس کو عبد الرزاق نے اپنی مصنّف میں حسن الضبی کوفی سے مرسلاً روایت کیا، اور وہ اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے ہیں، فرماتے ہیں جس نے وضو کے وقت اللہ کا ذکر کیا اس کا تمام جسم پاک ہوجائے گا اور اگر اللہ کا ذکر نہ کیا تو صرف وہی حصہ پاک ہوگا جس پر پانی گزرا ہوگا، اور ابوبکر سے ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنّف میں روایت کی کہ بندہ جب وضو کرتا ہے اور اللہ کا ذکر کرتا ہے تو اس کا سارا جسم پاک ہوجاتا ہے اور اگر اللہ کا ذکر نہیں کرتا تو صرف وہی حصہ پاک ہوتا ہے جس پر پانی پہنچا ہو۔ اور سعید بن منصور نے اپنی سنن میں مکحول سے روایت کی کہ جب کوئی شخص پاکی حاصل کرتا ہے اور اللہ کا ذکر کرتا ہے تو اس کا سارا جسم پاک ہوجاتا ہے اور جب بوقت وضو اللہ کا نام نہیں لیتا ہے تو صرف وضو کی جگہ پاک ہوتی ہے، ان تمام طُرُق کی موجودگی میں سقوط کا قول کرنا محال ہے بلکہ ان سے حدیث مرتبۂ ضعف سے بلند ہوجاتی ہے

---

[1] سنن الکبریٰ للبیہقی — باب التسمیۃ علی الوضوء — مطبع بیروت — ۱/۴۵
[2] کنز العمال — آداب الوضوء — مؤسسۃ الرسالۃ بیروت — ۹/۲۹۳
[3] مصنف ابن ابی شیبۃ — فی التسمیۃ فی الوضوء — ادارۃ القرآن کراچی — ۱/۳
[4] کنز العمال — آداب الوضوء — مؤسسۃ الرسالۃ بیروت — ۹/۴۵۷

الزیلعی الفقیہ فخر الدین عثمٰن شارح الکنز فی نصب الرایۃ تحت حدیث لاوضوء لمن لم یسم اللہ تعالٰی عن الامام ابن الجوزی ابی الفرج الحنبلی انہ قال محتجا علینا فی ایجابھم التسمیۃ للوضوء ان المحدث (ای بالحدث الاصغر اذ فیہ الکلام ویکون ھو المراد عند الاطلاق کما فی الحلیۃ) لایجوز لہ مس المصحف بصدرہ[1] اھ واقرہ علیہ۔

اور مرقاۃ میں دارقطنی کی روایت کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

ثانیاً علامہ زیلعی محدث جمال الدین عبداللہ شاگرد امام زیلعی فقیہ فخر الدین عثمان شارح کنز، نصب الرایہ میں "لاوضوء لمن لم یسم اللہ (اس کا وضو نہیں جو اللہ کا نام نہ لے) کی حدیث کے تحت فرماتے ہیں کہ امام ابن جوزی ابوالفرج الحنبلی نے ہم پر حجت قائم کرنے کے لیے وہ بسم اللہ کو وضو میں واجب قرار دیتے ہیں فرمایا کہ محدث (جس کو حدثِ اصغر لاحق ہوا ہو کیونکہ کلام اسی میں ہے اور عند الاطلاق وہی مراد ہوتا ہے، کما فی الحلیہ) اس کو مصحف کا چھونا اپنے سینہ سے جائز نہیں اھ اور اس کو انہوں نے برقرار رکھا۔ ت

قلت ویؤیدہ ما فی الفتح ثم البحر وحاشیۃ الشلبی علی التبیین قال لی بعض الاخوان ھل یجوز مس المصحف بمندیل ھو لابسہ علی عنقہ قلت لا اعلم فیہ منقولا والذی یظھر انہ ان کان بطرفہ وھو یتحرک بحرکتہ ینبغی ان لایجوز وان کان لایتحرک بحرکتہ ینبغی ان یجوز لاعتبارھم ایاہ فی الاول تابعا لہ کبدنہ دون الثانی اھ[2] فان المراد المحدث بالحدث الاصغر اذ قد نقل قبلہ باسطر عن الفتاوی لایجوز للجنب والحائض ان یمسا المصحف بکمیھما او ببعض ثیابھما لان الثیاب بمنزلۃ بدنھما اھ[3] فقولہ

میں کہتا ہوں اس کی تائید فتح میں، پھر بحر میں اور تبیین پر شلبی کے حاشیہ میں ہے مجھ سے بعض دوستوں نے دریافت کیا کہ اگر کوئی شخص گلے میں رومال ڈالے ہو تو وہ اُس رومال سے مصحف کو چھو سکتا ہے؟ میں نے کہا میں اس سلسلہ میں کوئی نقل تو نہیں پاتا ہوں لیکن اگر صورت یہ ہو کہ اس کے ایک کنارے سے مصحف کو پکڑے اور اس کے حرکت دینے سے دوسرا کنارہ حرکت کرے تو جائز نہ ہونا چاہئے اور اگر حرکت نہ کرے تو مس کرنا جائز ہونا چاہئے، کیونکہ پہلی صورت میں وہ اس کو اس کا تابع قرار دیتے ہیں جیسا کہ اس کا بدن ہے دوسری صورت میں تابع نہیں کہتے اھ کیونکہ محدث سے مراد حدثِ اصغر والا شخص ہے، کیونکہ اس سے

---

[1] نصب الرایۃ — کتاب الطہارۃ — اسلامیہ ریاض — ۱/۷

[2] بحر الرائق — باب الحیض — سعید کمپنی کراچی — ۱/۲۰۱

[3] شلبی علی التبیین — باب الحیض — بولاق مصر — ۱/۵۸

بعض ثیابھما کان یشمل منديلا ھو لابسہ فلم یقول لا اعلم فیہ المنقول افیخفی ما نقلہ انفا وھو بمرأی منہ۔

کچھ ہی پہلے فتاوٰی سے منقول ہوا کہ جنب اور حائض کو جائز نہیں کہ وہ دونوں مصحف کو اپنی آستین سے یا کپڑے کے کسی حصہ سے چھوئیں کیونکہ کپڑے منزلہ ان کے بدن کے ہیں اھ تو "بعض کپڑوں" میں وہ رومال بھی آجاتا ہے جس کو وہ پہنے ہوئے ہو تو پھر یہ کیوں کہتے ہیں کہ میں اس میں کوئی نقل نہیں جانتا کیا وہ دیکھتے بھالتے اُس نقل کو بھول گئے جو خود ہی انہوں نے پیش کی ہے۔ ت

اقول لکنی رأیت فی التبیین قال بعد قولہ منع الحدث مس القران ومنع من القراءۃ والمس الجنابۃ والنفاس کالحیض ما نصہ ولا یجوز لھم مس المصحف بالثیاب التی یلبسونھا لانھا بمنزلۃ البدن ولھذا لو حلف لا یجلس علی الارض فجلس علیھا وثیابہ حائلۃ بینہ وبینھا وھو لابسھا یحنث ولو قام فی الصلاۃ علی النجاسۃ وفی رجلیہ نعلان او جوربان لا تصح صلاتہ بخلاف المنفصل عنہ اھ فھذا ظاھر فی رجوع الضمیر الی المحدث ومن معہ جمیعا فھذا النقل وللہ الحمد وبالجملۃ المقصود انہ اذا منع مسہ بما علی عنقہ وصدرہ فکیف بھما فدل علی حلول الحدث جمیع البدن ثم رأیت المسألۃ منصوصا علیھا فی الھندیۃ عن الزاھدی حیث قال اختلفوا فی مس المصحف بما عدا اعضاء الطھارۃ وبما غسل من الاعضاء قبل اکمال الوضوء والمنع اصح[2] اھ

میں کہتا ہوں میں نے تبیین میں دیکھا ہے کہ وہ فرماتے ہیں حدث کی وجہ سے قرآن کو ہاتھ لگانا منع کیا ہے، اور جنابت اور نفاس نے حیض کی طرح پڑھنے اور ہاتھ لگانے دونوں کو منع کیا ہے، ان کی عبارت یہ ہے کہ ان کے لیے اُن کپڑوں کے ساتھ جو وہ پہنے ہوئے ہیں قرآن کو ہاتھ لگانا جائز نہیں کیونکہ وہ کپڑے بمنزلہ بدن کے ہیں، اور اس لیے اگر کسی شخص نے قسم کھائی کہ وہ زمین پر نہیں بیٹھے گا اب وہ اس طرح بیٹھا کہ اس کے اور زمین کے درمیان پہنے ہوئے کپڑے حائل ہوں تو وہ قسم میں حانث ہو جائے گا اور اگر کوئی شخص بحالتِ نماز نجاست پر کھڑا ہوا اور اس کے دونوں پیروں میں جوتے یا جرابیں ہیں تو اس کی نماز صحیح نہ ہوگی، اگر یہ چیزیں جُدا ہیں تو ہوجائے گی اھ تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ضمیر محدث کی طرف لوٹتی ہے اور اس کی طرف بھی جو محدث کے ساتھ ہو، یہ صریح نقل ہے والحمدللہ، اور خلاصہ یہ کہ جب قرآن کو اس کپڑے کے ساتھ چھونا جائز نہیں جو اس کی گردن اور سینے پر ہے تو خود گردن اور سینے سے مس کرنا کیسے جائز ہوگا! پس معلوم ہوا

---

[1] تبیین الحقائق باب الحیض بولاق مصر ۱/۵۷

[2] فتاوٰی ہندیۃ باب فی احکام الحیض والنفاس والاستحاضۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۹

کہ حدث تمام بدن میں سرایت کرتا ہے، پھر میں نے اس مسئلہ کو ہندیہ میں زاہدی سے منصوص دیکھا وہ فرماتے ہیں اعضاءِ طہارۃ، اور وہ اعضاء جو وضو کی تکمیل سے قبل دھوئے گئے ہوں اُن سے مسِ مصحف میں اختلاف ہے اور منع اصح ہے اھ ت

وثالثا تقرر عند العرفاء ان لا حدث صغيرا ولا كبيرا الا ما تولد من اكل حتى القهقهة فى الصلاة فان تلك الغفلة الشديدة فى عين الحضرة لا تكون الا من شبع اى شبع اذ الجائع ربما لا يكثر له سن فضلا عن القهقهة خلفة عن كونها فى الصلاة ولا شك ان نفع الاكل يعم البدن وكذا النفع الخارج والراحة الحاصلة به فدخول الطعام يولد الغفلة وخروج المؤذى يحققها والغفلة موت القلب والقلب رئيس فانه المضغة اذا صلحت صلح الجسد كله واذا فسدت فسد الجسد كله والماء ينعش ويذهب الغفلة كما هو مشاهد فى المغشى عليه۔

ثالثاً عرفاء کے نزدیک یہ امر مسلّم ہے کہ حدث چھوٹا ہو خواہ بڑا مطلقاً کھانا کھانے ہی سے پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ نماز میں قہقہہ بھی کہ عین دربار میں ایسی سخت غفلت اُسی سے ہوسکے گی جس کا پیٹ بھرا اور نہایت بھرا ہو کہ بھوک میں تو ہنسی سے دانت کھلنا ہی نادر ہے نہ کہ ٹھٹھا اور وہ بھی نماز میں، اور شک نہیں کہ کھانے کا نفع تمام بدن کو پہنچتا ہے یونہی فضلہ نکل جانے کی منفعت و راحت بھی سارے بدن کو ہوتی ہے تو کھانا معدہ میں جانا غفلت پیدا کرتا ہے اور موذی یعنی فضلہ کا نکلنا غفلت کو ثابت و مؤکد کرتا ہے اور غفلت سے دل کی موت ہے اور دل بدن کا بادشاہ ہے کہ یہی بوٹی درست ہو تو سارا بدن درست رہے اور بگڑے تو سارا بدن خراب ہوجائے اور پانی تازگی لاتا اور غفلت دُور کرتا ہے جیسا کہ غشی والے کے مُنہ پر چھڑکنے میں مشاہدہ ہے۔

قلت فكما ان سبب الموت عم البدن كان ينبغى ان يعمه ايضا سبب الحياة وبه اتى الشرع فى الحدث الاكبر لكن الاصغر يتكرر كثيرا فلو امروا كلما احدثوا ان يغتسلوا لوقعوا فى الحرج والحرج مدفوع فاقامت الشريعة السمحة السهلة مقام الغسل غسل الاطراف اذ من سنة كرمه تعالى ان اذا اصلح الاول والاخر تجاوز عن الوسط وجعله مغموسا

تو میں کہتا ہوں جس طرح موت کا سبب سارے بدن کو عام ہوا تھا چاہیے تھا کہ حیات کا سبب یعنی پانی بھی سب جسم پر پہنچے حدث اکبر میں تو شرع نے یہی حکم دیا مگر حدث اصغر بکثرت مکرر ہوتا ہے تو ہر حدث اصغر پر اگر نہانے کا حکم ہوتا تو لوگ حرج میں پڑتے اور اس دین میں حرج نہیں لہذا اس نرم آسان شریعت نے اطراف بدن کا دھونا قائم مقام نہانے کے فرمادیا کہ اللہ عزوجل کی سنتِ کرم ہے

فیهما ثم کان من الاطراف الراس وغسله کل یوم مرارا ایضا کان یورث البؤس والباس فابدل فیه الغسل بالمسح رحمة من الذی یقول عزّ من قائل یرید اللّٰه بکم الیسر ولا یرید بکم العسر فقضیة ھذا ان الحدث ولو اصغر یحل البدن کلہ۔

کہ جب اول وآخر ٹھیک ہوتے ہیں تو بیچ میں جو نقصان ہو اُس سے درگزر فرماتا ہے اب اطراف بدن میں سر بھی تھا اور اُسے ہر روز چند بار دھونا بھی بیمار کر دیتا مشقت میں ڈالتا لہذا اس کو دھونے کے عوض مسح مقرر فرمادیا، رحمت اس کی جو فرماتا ہے کہ اللہ تمھارے ساتھ آسانی چاہتا ہے اور دشواری نہیں چاہتا۔

(اس تمام گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ حدث خواہ اصغر ہی ہو تمام بدن میں حلول کرتا ہے۔ ت)

اقول وبہ تبین[1] ان ماصرح بہ غیر واحد من مشایخنا وغیرھم ان غسل غیر المصاب فی الحدث امر تعبدی کما فی الھدایة وغیرھا وقد منا ہ عن الکافی و کذلک[2] الاقتصار علی الاربعة فی الوضوء کما فیھا وفی الحلیة وغیرھما وبہ قال الامام الحرمین واختارہ الامام عزّ الدین بن عبد السلام کلاھما من الشافعیة فان کل ذلک فی علم الحقایق احکام معقولة المعنی واللّٰہ تعالٰی اعلم ھذا التقریر اسئلة ظھرت لی واتیت بھا کیلا تعن لقاصر مثلی ولا یتفرغ للتدبر فیحتاج لکشفھا۔

میں کہتا ہوں اس سے یہ بھی معلوم ہُوا کہ ہمارے مشایخ کا یہ فرمانا کہ اُن اعضاء کو دھونا جن کو حدث نہیں پہنچا ہے محض امر تعبدی ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں ہے اور ہم نے کافی سے بھی نقل کیا ہے، اور اسی طرح وضو میں چار پر اقتصار جیسا کہ ہدایہ اور حلیہ وغیرہ میں ہے اور یہی امام الحرمین کا قول ہے اور امام عزّ الدین بن عبد السلام نے اس کو اختیار کیا ہے یہ دونوں شافعی علماء ہیں کیونکہ یہ تمام حقائق کے معقول احکام ہیں واللہ تعالٰی اعلم، یہ اُن سوالوں کی تقریر ہے جو مجھے منکشف ہوئے، میں نے ان پر اس لیے گفتگو کی ہے کہ کہیں مجھ جیسے قاصر کو یہ درپیش نہ آجائیں اور وہ مشکل میں مبتلا نہ ہو جائے۔ (ت)

اقول فی الجواب عن الاول المراد نجاسة الآثام اذ لو ارید نجاسة الحدث لزم ان من لم یسم لم یتم طھرہ وھو مذھب الظاھریة وروایة عن الامام احمد رضی اللّٰه تعالٰی عنہ ولم یقل بہ احد من علمائنا و بقاء نجاسة الآثام فیما عدا اعضاء الطھر بل

اب میں پہلے کے جواب میں کہتا ہوں کہ اس سے مراد گناہوں کی نجاست ہے کیونکہ اگر حدث کی نجاست کا ارادہ کیا جائے تو یہ لازم آئے گا کہ جو بسم اللہ نہ کرے اُس کی طہارت مکمل نہ ہوگی، اور یہ ظاہریہ کا مذہب ہے، اور امام احمد کی ایک روایت ہے اور ہمارے علماء میں سے کسی کا قول نہیں، اور اعضاء طہارت کے علاوہ

وفیہا ایضاً کما قدمنا لاینافی صحۃ الطہارۃ و
الصلاۃ وبہ ظہر الجواب عن استدلال ابی
الفرج بالحدیث وعن الثانی ان المنع للحدث
بالمعنی الثانی الغیر المتجزی لقولہ تعالٰی
لایمسہ الا المطہرون وقولہ صلی اللہ تعالٰی
علیہ وسلم لایمس القراٰن الا طاہر وہو
لایکون طاہرا ما بقیت لمعۃ وان خفت
فمنع المس انما یقتضی تلبس المکلف بنجاسۃ
حکمیۃ لاتلبس خصوص العضو الممسوس
بہ الا تری انہ لایجوز مسہ بید قد غسلہا
مالم یستکمل الوضوء الا تری انہم منعوا المس
بما علیہ من الثیاب ولا نجاسۃ فیہا حقیقیۃ
ولا حکمیۃ انما المنع لانہا تبع لبدن شخص محدث
فلان یمتنع بنفس بدنہ اولی وان کان بدنا لم
یحلہ الحدث ہذا علی الاصح اما علی قول من
یقول ان المنع للمعنی الاول ای قیام النجاسۃ
الحکمیۃ بالممسوس بہ فالمسألۃ ممنوعۃ من
راسہا بل ہو قائل بجواز مسہ بغیر اعضاء
الطہارۃ کما مر عن الہندیۃ وان منع المس بالثیاب
فبثوب تابع لما فیہ الحدث کالکم لید لم تغسل
لا مطلقا کما لایخفی وعن الثالث نعم ذلک
تخفیف من ربکم ورحمۃ لکنہ یحتمل وجہین
الاول ان یعتبر الشرع حلول الحدث بکل
البدن ثم یجعل تطہیر الاعضاء الاربعۃ تطہیرا
للکل والثانی ان الشارع لما رأی فیہ الحرج

باقی اعضا میں گناہوں کی نجاست کا باقی رہنا، بلکہ
اعضاءِ طہارت میں بھی جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا صحت
طہارت کے منافی ہے اور نہ ادائیگی نماز کے، اور اسی
سے ظاہر ہو گیا جواب اس استدلال سے جو ابوالفرج
نے حدیث سے کیا ہے۔

اور دوسرے کا جواب یہ ہے کہ حدث کا منع
کرنا دوسرے معنی کے اعتبار سے جو غیر متجزی ہے
اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے "اس کو پاک لوگ
ہی چھوئیں" اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے
"قرآن کو پاک ہی چھوئے" اور محدث اس وقت تک
پاک نہ ہوگا جب تک ایک "لمعہ" بھی باقی رہے
خواہ کتنا ہی خفیف کیوں نہ ہو، تو چھونے کی ممانعت
کا مطلب یہ ہے کہ مکلف نجاست حکمیہ کے ساتھ ملوث
ہے، یہ نہیں کہ اس کا کوئی خاص عضو اس میں ملوث
ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن کو محض دھلے ہوئے ہاتھ
سے چھونا جائز نہیں تاوقتیکہ وضو مکمل نہ ہو، یہی
وجہ ہے کہ فقہاء نے اس ہاتھ سے قرآن چھونے کو
منع کیا ہے جو کپڑے میں لپٹا ہوا ہو خواہ اس پر نہ حقیقی
نجاست ہو اور نہ حکمی، ممانعت اس لئے ہے کہ وہ
محدث کی ذات کے تابع ہے تو نفسِ بدن سے
چھونے کی ممانعت بدرجۂ اولیٰ ہوگی، خواہ اس میں
حدث نے حلول نہ کیا ہو، یہ اصح کے مطابق ہے اور
جو حضرات منع معنیٰ اول میں قرار دیتے ہیں، یعنی
ممسوس بہ کے ساتھ نجاست حکمیہ کا قائم ہونا، تو مسئلہ
اصلاً ممنوع ہے، بلکہ اس کے مس کے جواز کے قائل ہیں

اسقط اعتبارہ الا فی الاعضاء الاربعۃ و لکل منھما نظیر فی الشرع فنظیر الاول التیمم جعل فیہ مسح عضوین مطھرا للاربع بالاتفاق و نظیر الثانی العین کان فی غسلھا حرج فلم یجعلھا الشرع محل حلول حدث اصلا لا انہ حل و سقط الغسل للحرج فلو غسل عینیہ لا یصیر الماء مستعملا بالوفاق و عند الاحتمال ینقطع الاستدلال بل اقول لو تاملت لرجحت الثانی اذ عدم الاعتبار اولی من الاعتبار ثم الاھدار و القیاس علی العین بجامع الحرج واضح صحیح بخلاف التیمم فان اصل الواجب ثم الوضوء و التیمم خلف و لم یزعم ھھنا احد ان اصل الواجب بکل حدث ھو الغسل و الوضوء خلف بل لم یقل احد ان الغسل عزیمۃ و الوضوء رخصۃ و ھؤلاء سادا تنا العرفاء الکرام اعاد اللہ تعالی علینا برکاتھم فی الدارین رأیناھم یأخذون انفسھم فی کل نقیر و قطمیر بالعزائم و لا یرضون لھم التنزل الی الرخص ثم لم ینقل عن احد منھم انہ الزم نفسہ الغسل عند کل حدث مکان الوضوء و لو التزمہ الان احد لکان متعمقا مشددا متنطعا فظھر انہ من البناء الثانی دون الاول علی ان ذلک طور اخر وراء الطور الذی نتکلم فیہ و الاحکام لا تخلو عن الحکم لکن لا تدار علیھا الا تری ان من

بلا اعضاء طہارت کے، جیسا کہ ہندیہ سے گزرا، اور اگر کپڑوں کے ساتھ چھونا جائز نہیں تو اس کپڑے کے ساتھ جو تابع ہو کیونکہ اس میں حدث ہے، جیسے آستین ہاتھ کے لیے جو ڈھلا نہ ہو، نہ کہ مطلقاً کما لا یخفی۔

اور تیسرے کا جواب یہ ہے، ہاں یہ تمہارے رب کی طرف سے تخفیف ہے اور رحمۃ ہے لیکن اس میں دو وجہیں ہیں پہلی تو یہ کہ شرع تمام بدن میں حدث کے حلول کا اعتبار کرتی ہے اور پھر چار اعضاء کی تطہیر کے بعد کل بدن کی طہارت کا حکم کرتی ہے اور دوسرے یہ کہ شارع نے جب اس میں حرج دیکھا تو اس کے اعتبار کو ساقط کر دیا صرف اعضاً اربعہ میں رہنے دیا، اور ان میں سے ہر ایک کی نظیر شرع میں موجود ہے، پہلے کی نظیر تیمم ہے اس میں دو اعضاً کے مسح کرنے کو چاروں اعضاء کی پاکی قرار دیا ہے، اور دوسرے کی نظیر آنکھ ہے کہ اس کے دھونے میں حرج تھا، تو شریعت نے اس میں حدث کا حلول نہیں مانا، یہ نہیں کہ حدث حلول کر گیا ہو اور پھر حرج کی وجہ سے دھونا ساقط کر دیا گیا ہو، اب اگر کسی نے اپنی دونوں آنکھیں دھوئیں تو پانی بالاتفاق مستعمل نہ ہوگا، اور جب احتمال پیدا ہو جائے تو استدلال ختم ہو جاتا ہے، بلکہ میں کہتا ہوں اگر آپ تامل کریں تو دوسرے کو ترجیح ہے کیونکہ اعتبار نہ کرنا اعتبار کرنے سے اَولیٰ ہے کہ پہلے اعتبار کیا جائے پھر اس کو باطل کیا جائے، اور آنکھ پر قیاس کرنا حرج کی علت سے

اشتغل فی لهو و لعب و مزاح و قهقهة خارج الصلاة فلا شك انه غافل فی تلك الساعات عن ربه عز و جل لاسيما[1] الذی قهقه فی صلاة الجنازة مع ان فی ذكری الموت شغلا شاغلا ولم يجعل الشرع شيئاً من ذلك حدثا وكذا لم يجعل الاكل وهو الاصل ولا النوم الذی هو اخ الموت ما لم يظن خروج شئ بان لم يكن متمكنا فعلينا اتباع ما رجحوه و صححوه كما لو افتونا فی حياتهم والله تعالى اعلم باحكامه.

واضح اور صحیح ہے بخلاف تیمم کے کیونکہ وہاں اصالۃً جو چیز واجب ہے وہ وضو ہے اور تیمم خلیفہ ہے، اور یہاں کسی نے گمان نہیں کیا کہ ہر حدث میں اصالۃً واجب غسل ہے اور وضو خلیفہ ہے، بلکہ کسی نے یہ بھی نہ کہا کہ غسل عزیمۃ ہے اور وضو رخصۃ ہے، حالانکہ ہمارے یہ بزرگ، اللہ ان کی برکتیں ہم پر نازل کرے، باریک باریک تر چیز کا اعتبار کرتے ہیں اور کسی قسم کی رخصت پر تیار نہیں ہوتے، پھر ان میں سے کسی سے منقول نہیں کہ بجائے وضو کے غسل کرتا ہو اور اگر اب کوئی ایسا کرے تو وہ انتہا درجہ کا متشدد ہوگا تو معلوم ہوا کہ وہ دوسرے باب سے ہے نہ کہ پہلے باب سے۔

علاوہ ازیں یہ ہماری گفتگو کا ایک نیا انداز ہے، اور احکام حکمتوں سے خالی نہیں ہوتے، لیکن اُن پر ادار و مدار نہیں ہوتا، مثلاً کوئی شخص لہو و لعب، مزاح اور قہقہوں میں بیرونِ نماز مصروف ہے تو بلاشبہ اِن لمحات میں وُہ اپنے رب سے غافل ہے، خاص طور پر قہقہہ لگانے والا نمازِ جنازہ میں، حالانکہ موت انسان کو ہر چیز سے موڑ کر اللہ کی طرف متوجہ کر دیتی ہے، مگر شارع نے اِن اشیاء میں سے کسی چیز کو بھی حَدَث قرار نہیں دیا ہے، اور اسی طرح کھانے کو، جو اصل ہے، اور نیند کو جو موت کی نظیر ہے تاوقتیکہ اُس شخص کو یہ ظن نہ ہو جائے کہ کوئی چیز خارج ہوئی ہے، مثلاً یہ کہ جم کر نہیں بیٹھا یا لیٹا تھا، تو ہم پر لازم ہے کہ جس چیز کو فقہاء نے راجح قرار دیا اور صحیح قرار دیا[2] ہے ہم اس کی بالکل اسی طرح پیروی کریں جیسے اگر وہ حضرات اپنی زندگی میں ہمیں فتوٰی دیتے۔

تنبيه معلوم ان اقامة قربة او رفع حدث او اسقاط فرض او ازالة نجاسة حكمية بايها عبرت كل ذلك يشمل المسح المفروض مطلقا والمسنون بشرط النية فيجب ان تصير البلة مستعملة اذا انفصلت من رأس او خف او جبيرة او اذن مثلا ولذا عولنا عليه وصرحنا بعموم المسح لكن قال الامام فقيه النفس فی الخانية لو ادخل[3] المحدث

تنبیہ یہ امر معلوم ہے کہ قُربۃ کی ادائیگی، رفعِ حدث، اسقاطِ فرض، نجاستِ حکمیہ کا ازالہ وغیرہ، جو تعبیر بھی آپ کریں یہ مفروض مسح کو مطلقاً شامل ہے اور مسنون کو بشرطِ نیت، لہذا لازم ہے کہ تری سر سے، موزے سے، پٹی سے یا کان سے جُدا ہوتے ہی مستعمل ہو جائے، اور اسی لیے ہم نے اس پر اعتماد کیا، اور مسح کے عام ہونے کی تصریح کی، لیکن امام فقیہ النفس نے خانیہ میں فرمایا اگر بے وضو نے اپنا سر مسح کے لیے

رأسه فی الاناء یرید به المسح لایصیر الماء مستعملا فی قول ابی یوسف رحمه الله تعالٰی قال انما یتنجس الماء فی کل شیئ یغسل اما ما یمسح فلا یصیر الماء مستعملا وان اراد به المسح وقال محمد رحمه الله تعالٰی اذا کان علٰی ذراعیه جبائر فغمسها فی الماء او غمس رأسه فی الاناء لا یجوز ویصیر الماء مستعملا[1] اھ وقد قدم قول ابی یوسف رحمه الله تعالٰی فکان ھو الاظھر الاشھر کما افاد فی خطبته فکان ھو المعتمد کما فی ط وش بل صححوا ان محمدا فیه موافق یوسف رحمھما الله تعالٰی فلا خلاف قال فی البحر لوادخل رأسه الاناء او خفه او جبیرته وھو محدث قال ابو یوسف رحمه الله تعالٰی یجزئه المسح ولا یصیر الماء مستعملا سواء نوی اولم ینو وقال محمد رحمه الله تعالٰی ان لم ینو یجزئه ولا یصیر مستعملا وان نوی المسح اختلف المشایخ علی قوله قال بعضھم لایجزئه ویصیر الماء مستعملا والصحیح انه یجوز ولا یصیر الماء مستعملا کذا فی البدائع فعلم بھذا ان ما فی المجمع[2]۔

(قلت ای والخانیة والفتح وغیرھا) من الخلاف فی ھذہ المسألة علی غیر الصحیح

برتن میں ڈبو دیا تو ابو یوسف کے قول کے مطابق پانی مستعمل نہ ہوگا، کیونکہ وہ فرماتے ہیں پانی اس چیز سے نجس ہوگا جو دھوئی جاتی ہے، اور جو ممسوح ہے اُس سے نہیں خواہ اُس سے مسح کا ارادہ ہی کیا ہو، اور امام محمد نے فرمایا کہ اگر کسی کے ہاتھوں پر پٹیاں ہوں اور اس نے وہ پانی میں ڈبو دیے یا اپنا سر پانی میں ڈبو دیا تو جائز نہیں اور پانی مستعمل ہوگا اھ اور ابو یوسف کے قول کو مقدم کیا گیا ہے وہی ظاہر و مشہور ہے جیسا کہ انھوں نے اپنے خطبہ میں فرمایا تو وہی قابلِ اعتماد ہوگا، جیسا کہ "ط" و "ش" میں ہے بلکہ فقہاء نے اس امر کو صحیح قرار دیا ہے کہ اس میں امام محمد ابو یوسف کے ساتھ ہیں، تو کوئی اختلاف باقی نہ رہا۔ بحر میں فرمایا کہ اگر کسی شخص نے اپنا سر، موزہ یا پٹی بے وضو ہونے کی حالت میں برتن میں ڈبو دی تو امام ابو یوسف نے فرمایا مسح ہو جائیگا اور پانی مستعمل نہ ہوگا خواہ مسح کی نیت کی ہو یا نہ، امام محمد نے فرمایا اگر نیت نہیں کی تو مسح ہو جائیگا اور پانی مستعمل نہ ہوگا، اگر نیت کی تو ان کے قول پر اس میں مشایخ کا اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں اس کو کافی نہ ہوگا اور پانی مستعمل ہو جائے گا، اور صحیح یہ ہے کہ جائز ہے اور پانی مستعمل نہ ہوگا کذا فی البدائع تو اس سے معلوم ہوا کہ مجمع میں جو اختلاف ہے۔ (ت)

(میں کہتا ہوں خانیہ اور فتح وغیرہ میں بھی) جو اختلاف بیان کیا گیا ہے وہ صحیح نہیں، صحیح یہ ہے

---

[1] فتاوٰی خانیہ علی الھندیۃ باب الماء المستعمل نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۵

[2] بحر الرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵

بل الصحیح ان لاخلاف وعلم ایضا انه لافرق بین الرأس والخف والجبیرة خلافا لما ذکرہ ابن الملك[۱] اھ واختصرہ فی الدر فقال لم یصیر الماء مستعملا وان نوی اتفاقا علی الصحیح[۲] اھ۔

اقول ولایھولنك ھذا فلیس معناہ ان المسح لایفید الاستعمال کیف وکلامھم طرّاً فی اسبابه مطلق یعم الغسل والمسح ثم المسألة عینھا منصوصة علی لسان الکبراء منھم فقیه النفس (ف۱) اذ یقول توضأ ثم مسح الخف ببلة بقیت علی کفه بعد الغسل جاز ولو مسح برأسه ثم مسح الخف ببلة بقیت علی الکف بعد المسح لایجوز لانه مسح الخف ببلة مستعملة بخلاف الاول[۳] اھ و اقرہ فی الفتح وغیرہ (ف۲) وفی الخانیة ایضا الاستیعاب فی مسح الرأس سنة وصورة ذلك ان یضع اصابع یدیه علی مقدم راسه وکفیه علی فودیه ویمدھما الی قفاہ فیجوز واشار بعضھم الی طریق اخر احترازا عن استعمال الماء المستعمل الا ان ذلك لایمکن الا بکلفة ومشقة فیجوز الاول ولا یصیر الماء مستعملا ضرورة اقامة السنة[۴] اھ ای لما علم ان الماء مادام علی العضو لا یصیر مستعملا وفی الفتح (ف۳) من مسح الرأس لو مسح باصبع واحدة مدھا قدر الفرض

کہ اختلاف نہیں، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ سر، موزے اور پٹّی میں کوئی اختلاف نہیں جیسا کہ ابن الملک نے ذکر کیا اھ اور اسی کو دُر میں مختصر کیا، فرمایا پانی مستعمل نہ ہوگا خواہ نیت کی ہو، یہ متفق علیہ ہے صحیح قول پر اھ ت

اقول یہ چیز کوئی قابلِ تعجب نہیں، اس کا یہ معنی نہیں کہ مسح سے استعمال نہیں ہوتا، حالانکہ تمام فقہاء کا کلام اسبابِ استعمال کے سلسلہ میں عام ہے اس میں غسل اور مسح دونوں شامل ہیں، اور پھر اکابر علماء نے مسئلہ کی صراحت بھی کی ہے، مثلاً فقیہ النفس فرماتے ہیں کسی شخص نے وضو کیا پھر ہاتھ دھونے کے بعد جو تری باقی رہ گئی تھی اس سے موزے پر مسح کرلیا تو جائز ہے اور اگر سر پہ مسح کیا اور مسح کے بعد ہاتھ پہ جو تری رہ گئی تھی اُس سے موزے پر مسح کیا تو جائز نہیں کیونکہ اس نے مستعمل تری سے موزے پر مسح کیا ہے بخلاف اول کے اھ فتح و خانیہ میں اسی کو برقرار رکھا، پھر استیعاب مسح میں سنت ہے، اور استیعاب کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی انگلیاں ماتھے پر رکھے اور ہتھیلیاں کنپٹیوں پر اور گدی کی طرف کھینچ کر لے جائے تو جائز ہے، اور بعض دوسرے فقہاء نے اور طریقہ بتایا کہ مستعمل پانی کے استعمال سے بچا جاسکے، مگر اس میں بہت تکلف اور مشقت ہے، تو پہلی صورت جائز ہے اور پانی مستعمل نہ ہوگا تاکہ سنت ادا ہوسکے اھ یعنی جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ پانی جب تک عضو پر باقی

[۱] بحرالرائق کتاب الطہارت سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵
[۲] الدرالمختار ارکان الوضوء ۱/۱۹
[۳] فتاوٰی خانیۃ مسح علی الخفین ۱/۲۳
[۴] خانیۃ علی الہندیۃ فصل صفۃ الوضوء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۵

جائز عند زفر وعندنا لا یجوز وعللوه بان البلة صارت مستعملة وهو مشكل بان الماء لا یصیر مستعملا قبل الانفصال وما قیل الاصل ثبوت الاستعمال بنفس الملاقاة لكنه سقط فی المغسول للحرج اللازم بالزام اصابة كل جزء باسالة غیر المسال علی الجزء الاخر ولا حرج فی المسح لانه یحصل بمجرد الاصابة فبقی فیه علی الاصل دفع بانه مناقض لما علل به لابی یوسف رحمه الله تعالٰی فی مسألة ادخال الراس الاناء فان الماء طهور عنده فقالوا المسح حصل بالاصابة والماء انما یاخذ حكم الاستعمال بعد الانفصال والمصاب به لم یزایل العضو حتی عدل بعض المتاخرین الی التعلیل بلزوم انفصال البلة الاصبع بواسطة المد فیصیر مستعملا لذلك[1] وبالجملة فالمنقول فی الباب كثیرة بثیرة وفی الكتب شهیرة وان كان للعبد فی مسألة الاصبع ابحاث غزیرة فلیس وجه مسألة الاناء ما یتوهم بل ما نقلناه انفا عن الفتح وقد ذكره فی موضع اخر بقوله ان الماء لا یعطی له حكم الاستعمال الا بعد الانفصال والذی لاقی الراس من اجزائه لصق به فطهره وغیره لم یلاقه فلم یستعمل[2] اه فمعنی قولهم فیها لا یصیر الماء

رہتا ہے مستعمل نہیں ہوتا ہے۔

اور فتح میں ہے جس نے سر کا مسح کیا یا اگرچہ ایک انگلی سے مسح کیا کہ اس کو بقدرِ فرض کھینچا، تو زفر کے نزدیک جائز ہے اور ہمارے نزدیک جائز نہیں اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ تری مستعمل ہوگئی، مگر اس پر اعتراض یہ ہے کہ پانی عضو سے جُدا ہُوئے بغیر مستعمل نہیں ہوتا ہے، ایک قول یہ ہے کہ اصل تو یہی ہے کہ پانی عضو سے لگتے ہی مستعمل ہوجائے مگر اعضاء مغسولہ میں اس کو حرج کی وجہ سے معتبر نہیں مانا گیا ہے ورنہ تو عضو کے ایک حصہ کا پانی دوسرے حصہ کو ناپاک کردیتا، اور مسح میں یہ صورتِ حال نہیں ہے کیونکہ اس میں بہانا نہیں ہے محض لگانا ہے تو اس میں اصل پر اعتبار کیا گیا۔ اس اعتراض کے جواب میں کہا گیا ہے کہ امام ابویوسف نے سر کو برتن میں داخل کرنے کی بابت جو ارشاد فرمایا ہے یہ قول اس کے برخلاف ہے کیونکہ پانی ان کے نزدیک پاک کرنے والا ہے، وہ فرماتے ہیں پانی لگانے سے مسح تو ہوگیا اور چونکہ پانی عضو سے جدا ہونے کے بعد مستعمل ہوتا ہے اور مسح میں جدا نہیں ہوتا اس لیے مستعمل بھی نہ ہوگا حتی کہ بعض متاخرین نے بجائے اس دلیل کے یہ دلیل اختیار کی ہے کہ انگلی کی تری اس طرح جُدا ہوئی کہ اس کو کھینچا گیا تو اب یہ پانی مستعمل ہوجائے گا اھ خلاصہ یہ کہ اس باب میں نقول بہت موجود ہیں جو مشہور کتب میں پائی جاتی ہیں اور

---

[1] فتح القدیر كتاب الطہارۃ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۶

[2] ایضاً ۱/۱۶

مستعملا ای ما بقی فی الاناء وھو المراد بقول الخانیۃ عن الامام ابی یوسف انما یتنجس الماء فیما یغسل لا ما یمسح ای ماء الاناء بادخال ماوظیفتہ الغسل دون المسح فزال الوھم و فیہ المدعی۔

ناچیز انگلی کے مسئلہ پر بڑی گہری ابحاث رکھتا ہے برتن کے مسئلہ کی وجہ وہ نہیں جو بعض حضرات کے وہم میں آئی ہے بلکہ وہ ہے جو ہم نے ابھی فتح سے نقل کی ہے اور اسی کو انھوں نے دوسرے مقام پر اس طرح بیان کیا ہے کہ پانی کو مستعمل ہونے کا حکم اسی وقت ملے گا جب وہ عضو سے جدا ہو اور پانی کے جو اجزاء سر سے متصل ہوئے وہ اسی میں چپک جاتے ہیں اور اُس کو پاک کر دیتے ہیں اور سر کے علاوہ کسی اور حصے پر نہیں لگتے ہیں تو مستعمل نہ ہوا اھ تو فقہاء نے جو فرمایا ہے کہ پانی مستعمل نہ ہوگا اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک برتن میں رہے، اور خانیہ نے امام ابو یوسف سے جو نقل کیا ہے کہ پانی اُن اعضاء میں مستعمل ہوتا ہے جو دھوئے جاتے ہیں نہ کہ اُن میں جو مسح کیے جاتے ہیں، تو اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ برتن کا پانی اُن اعضاء کے داخل کرنے کی وجہ سے مستعمل ہوگا جو مغسولہ ہیں نہ کہ ممسوحہ تو وہم رفع ہوا اور یہی مقصود تھا۔ (ت)

اقول وان کان فی قصرھم اللقاء علی ما لصق بالرأس تأمل ظاھر وکان ھذا ھو مراد المحقق اذ قال بعد ذکرہ وفیہ نظر اھ[1]۔

میں کہتا ہوں فقہاء نے ملنے کو جو سر کے ساتھ مختص کر دیا ہے اس میں بظاہر تامل ہے، اور غالباً محقق کی مراد یہی ہے کیونکہ انھوں نے اس کے ذکر کے بعد فرمایا: وفیہ نظر۔ (ت)

اقول ویظھر لی ان سبیل المسألۃ سبیل الخلف فی الملقی والملاقی وتصحیح ھذہ بل تصحیح الوفاق فیھا ربما یعطی ترجیح عدم الفرق الا ان یفرق بین الغسل والمسح فلا یصیر بہ کل الماء مستعملا حکما بالاتفاق بخلاف الغسل ویحتاج لوجہ فلیتدبر واللہ تعالٰی اعلم۔

میں کہتا ہوں اور مجھے معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ کا حل ملنے والی شے اور جس سے ملی ہے اس میں اختلاف پر مبنی ہے، اور اس کی تصحیح بلکہ اس میں اتفاق کی تصحیح سے عدم فرق کو ترجیح حاصل ہوتی ہے، ہاں اگر غسل اور مسح میں ہی فرق کر لیا جائے تو بات اور ہے تو اُس سے تمام پانی حکماً مستعمل نہ ہوگا بالاتفاق بخلاف غسل کے، اور یہ دلیل کا محتاج ہے فلیتدبر واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

تنبیہ اعلم ان مسألۃ الاصبع المارۃ ترکھا المحقق فی الفتح غیر مبینۃ ذکر لہ ثلث تعلیلات ورد الجمیع فالاول التعلیل بالاستعمال وقد علمت ردہ وما

تنبیہ انگلی کا مسئلہ جو گزرا اس کو محقق نے فتح میں واضح نہیں کیا تین تعلیلات بیان کیں اور تینوں کو رَد کر دیا، پہلی تعلیل استعمال سے متعلق ہے اور اس کا رَد تم معلوم کر چکے ہو، اور اس کی

[1] فتح القدیر کتاب الطہارۃ ۱/۱۷

عدل الیہ بعض المتاخرین لاصلاحہ فردہ والاول معابان ھذا کلہ یستلزم ان مد[1] اصبعین لایجوز وقد صرحوا بہ وکذا الثلاث علی القول بالربع وھو قول ابی حنیفۃ و ابی یوسف رحمہما اللہ تعالٰی ولکن لم ار فی مد الثلاث الا الجواز اھ واعترضہ فی النھر بقول البدائع لو وضع ثلثۃ اصابع و لم یمدھا جاز علی روایۃ الثلاث لا الربع و لو مسح بہا منصوبۃ غیر موضوعۃ ولا ممدودۃ فلا فلو مدھا حتی بلغ القدر المفروض لم یجز عند علمائنا الثلثۃ خلافا لزفر[2] آہ قال وقد وقفت علی المنقول ای ان عدم الجواز قول ائمتنا الثلثۃ فکیف یقول المحقق لم ارفیہ الا الجواز وھو عجیب من مثلہ کما نبہ علیہ فی المنحۃ فان الضمیر فی مدھا للمنصوبۃ و کلام الفتح فی الموضوعۃ۔

اصلاح میں بعض متاخرین نے جو فرمایا ہے اس کو اور پہلے کو ساتھ ہی انہوں نے رَد کیا ہے، اور فرمایا ہے کہ اس سے لازم آتا ہے کہ دو انگلیوں کا کھینچنا جائز نہ ہو، اور اس کی فقہا نے تصریح کی ہے اور چوتھائی کے قول پر تین کا کھینچنا بھی جائز نہ ہو، اور یہ ابو حنیفہ اور ابو یوسف کا قول ہے، لیکن تین کے کھینچنے میں مجھے جواز ہی ملا ہے اھ اور نہر میں اس پر اعتراض کیا اور بدائع کا یہ قول ذکر کیا ہے کہ اگر تین انگلیاں رکھیں اور ان کو کھینچا نہیں تو تین کی روایت پر جائز ہے نہ کہ چوتھائی کی روایت پر، اور اگر کھڑی انگلیوں سے مسح کیا' ان کو نہ تو رکھا نہ کھینچا تو جائز نہیں، اور اگر اتنا کھینچا کہ فرض مقدار پُوری ہوگئی تو ہمارے تینوں علماء کے نزدیک جائز نہ ہوگا امام زفر کا اس میں اختلاف ہے اھ انہوں نے فرمایا کہ میں منقول پر مطلع ہوا ہوں، یعنی عدم جواز ہمارے تینوں ائمہ کا قول ہے، تو محقق کا یہ قول کیونکر درست ہوگا کہ میں نے صرف جواز ہی دیکھا ہے، اور اُن جیسے شخص سے یہ بڑے تعجب کی بات ہے، منحہ میں اسی پر تنبیہ کی ہے کیونکہ "مدھا" میں ھا کی ضمیر "منصوبۃ" کے لیے ہے اور فتح کا کلام "موضوعۃ" کے لیے ہے۔ ت

اقول کان النھر نظر الی ان الصور اربع ثلاث اصابع موضوعۃ او منصوبۃ والکل ممدودۃ اولا وقد ذکر فی البدائع اولا صورتی عدم المد ثم قال فلو مدھا فلیکن الضمیر الی ثلث اصابع مطلقۃ موضوعۃ

میں کہتا ہوں غالباً نہر نے دیکھا کہ صورتیں چار ہیں، تین انگلیاں رکھی ہوئیں یا کھڑی اور سب کھینچی ہوئی یا نہیں، اور بدائع میں پہلے نہ کھینچنے کی دو صورتیں ذکر کی ہیں، پھر کہا کہ "فلومدھا" تو اس میں ضمیر "ثلث اصابع" کی طرف ہونی چاہیے خواہ وہ رکھی

---

[1] فتح القدیر کتاب الطہارت نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۶

[2] بدائع الصنائع مطلب مسح الرأس ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵

او منصوبة لیستوعب کلامہ الصور لکن الشان انه مدع ظفر التقل فیضرہ احتمال العود الی المنصوبة لاسیما وھی الاقرب وقد کشف المراد[1] فی الحلیة حیث قال، فروع، مسح بثلثة اصابع منصوبة لم یجز ولو مدھا حتی بلغ المفروض لم یجز عند علمائنا الثلثة و لو وضعھا ولم یمد لم یجز علی روایة الربع ذکرہ فی التحفة والمحیط والبدائع[1] اھ

ہوں یا کھڑی، تاکہ اُن کا کلام تمام صورتوں کا استیعاب کرے، لیکن وہ اس امر کے مدعی ہیں کہ وہ نقل حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں تو ضمیر کے منصوبہ کی طرف لوٹنے کا احتمال اُن کے لیے مضر ہوگا اور پھر وہ اقرب بھی ہے، اور حلیہ میں مراد واضح کی ہے فرمایا۔ فروع ۔ اگر کسی نے تین کھڑی انگلیوں سے مسح کیا تو جائز نہیں اور اگر ان کو اتنا کھینچا کہ فرض مقدار کو پہنچا دیا تو ہمارے تینوں علماء کے نزدیک جائز نہیں اور اگر انگلیوں کو رکھا اور نہ کھینچا تو چوتھائی کی روایت پر جائز نہیں، اس کو تحفہ، محیط اور بدائع میں ذکر کیا ہے اھ ت

اقول علی ان ما عدل الیہ[2] بعض المتأخرین لا اعرف لہ محصلا فان المراد ان کان الانفصال عن الاصبع فلا یفید الاستعمال لانھا اٰلة وانما یفیدہ الانفصال عن المحل اوعن الرأس کلہ فظاھر الغلط اوعن موضعہ الذی اصابتہ الاصبع اولا فنعم ولم یشف غلیلا بل کان نظیر الماعدل عنہ للحکم بحصول الاستعمال مع کون الماء مترددا بعد علی[3] نفس العضو غیر منفصل عنہ وھو باطل لاجرم ان نص فی الخلاصة ثم البحر فیما اذا مسح باطراف اصابعہ ومدھا حتی بلغ المفروض انہ یجوز سواء کان الماء متقاطرا اولا قال وھو الصحیح[2] قال ش قال الشیخ اسمعیل و نحوہ فی الواقعات

میں کہتا ہوں بعض متاخرین نے جس کی طرف عدول کیا ہے میں اس کا کوئی فائدہ نہیں محسوس کرتا ہوں کیونکہ اگر ان کی مراد انگلی سے جدا ہونا ہے تو استعمال کا فائدہ نہ ہوگا کیونکہ وہ تو آلہ ہے اس کو تو محل سے جدا ہونا یا کل سر سے جدا ہونا مفید ہے، تو یہ ظاہراً غلط ہے یا اس کی جگہ سے جہاں انگلی لگی ہے یا نہیں، تو ہاں، مگر اس سے کچھ فائدہ نہیں بلکہ یہ نظیر ہوگا اس چیز کی جس سے عدول کیا ہے تاکہ استعمال کے حصول کا حکم ہو حالانکہ پانی متردد ہے عضو پر اس سے جدا نہیں، اور وہ باطل ہے، پھر خلاصہ و بحر میں صراحت ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی انگلیوں کے کناروں سے مسح کیا اور ان کو کھینچا یہاں تک کہ فرض کے مقام کو پہنچا تو یہ جائز ہے خواہ پانی ٹپکے یا نہ ٹپکے اُن دونوں

---

[1] بدائع الصنائع مطلب مسح الرأس سعید کمپنی کراچی ۱/۵

[2] بحر الرائق کتاب الطہارت سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵

والفیض[1] ای علی خلاف ما فی المحیط انه انما یجوز اذا کان متقاطرا لان الماء ینزل من اصابعه الی اطرافها فمده کاخذ جدید[2]۔

نے کہا کہ وہی صحیح ہے، ش نے فرمایا شیخ اسمٰعیل نے فرمایا نیز واقعات اور فیض میں ہے اھ یعنی محیط کے برعکس کہ یہ اس وقت جائز ہے جبکہ پانی ٹپک رہا ہو کیونکہ پانی اس کی انگلیوں کے کناروں تک ٹپک آئے گا تو اس کا کھینچنا گویا نیا پانی لینے کے مترادف ہے۔ ت

والثانی ما اختار شمس الائمة ان المنع فی مد الاصبع والاثنتین غیر معلل باستعمال البلة بدلیل انه ف۱ لو مسح باصبعین فی التیمم لایجوز مع عدم شیئ یصیر مستعملا خصوصا اذا تیمم علی الحجر الصلد بل الوجه انا مامورون بالمسح بالید والاصبعان لاتسمی یدا بخلاف الثلاث لانها اکثر ما هو الاصل فیها اھ ای فی الید وھی الاصابع ف۲ ولذا یجب بقطعها ارش الید کاملا ورده المحقق بعد استحسانه بانه یقتضی تعیین الاصابة بالید وھو منتف بمسألة المطر وقد یدفع بان المراد تعیینها او مایقوم مقامها من الاٰلات عند قصد الاسقاط بالفعل اختیارا غیران لازمه کون تلک الاٰلة قدر ثلاث اصابع ف۳ حتی لو کان عودا لایبلغ ذلک القدر قلنا بعدم جوازه[3]۔

اور دوسرا وہ ہے جو شمس الائمہ نے اختیار کیا ہے کہ ایک یا دو انگلیوں کے کھینچنے کی ممانعت تری کے استعمال کی وجہ سے نہیں ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر اس نے دو انگلیوں سے تیمم میں مسح کیا تو یہ جائز نہیں، حالانکہ کوئی چیز ایسی نہیں جو مستعمل ہو خصوصاً جب چکنے پتھر پر تیمم کیا، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں ہاتھ سے مسح کا حکم دیا گیا ہے اور دو انگلیوں کو ہاتھ نہیں کہا جاتا ہے بخلاف تین انگلیوں کے کیونکہ یہ مسح کے اصل میں جو اصل ہے اس کا اکثر حصہ ہیں اھ یعنی ہاتھ اور وہ انگلیاں ہیں اور اسی لیے تین انگلیوں کے کاٹنے پر پورے ہاتھ کی دیت لازم ہوتی ہے اور محقق نے اس کو پسند کرنے کے بعد رد کر دیا، کیونکہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہاتھ کا لگانا ہی ضروری ہے حالانکہ بارش کے مسئلہ کی وجہ سے ایسا نہیں ہے، اس کا ایک جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ دراصل مراد ہاتھ کی تعیین ہے یا جو اس کے قائم مقام ہو، کوئی بھی آلہ ہو، جبکہ اختیاری فعل سے اسقاط مطلوب ہو، البتہ یہ ضروری ہے کہ جو بھی آلہ ہو تین انگلیوں کی مقدار میں ہو یہاں تک کہ اگر کسی نے ایسی لکڑی پھیری جو اس مقدار کی نہ تھی تو جائز نہ ہوگا اھ

---

[1] ردالمحتار کتاب الطہارت البابی مصر ۱/۴۵
[2] ایضاً ۱/۴۷
[3] فتح القدیر ″ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۶
[4] ایضاً

اقول وحاصله ان الید غیر لازمة ولکن اذا وقع بھا لم یجز الابما ینطلق علیه اسمہا ولکن لقائل ان یقول **اولا** مسألة المطر تفیدنا ان مقصود الشرع اصابة البلل القدر المفروض کیفما کان ولا نظر الی الاٰلة ولا الفعل القصدی اصلا وقد قرر مشایخنا ان ذکر الید المقدر فی قوله تعالٰی وامسحوا برؤسکم ای ایدیکم برؤسکم لتقدیر المحل دون الاٰلة کما حققه الامام صدر الشریعة وابن الساعاتی والمحقق نفسه فی الفتح فلیتأمل **وثانیا** اجمعوا ان لومسح باطراف اصابعه والماء متقاطر جاز فظهر ان تعیین الاٰلة ملغاة ھٰھنا راسا وان القیاس علی التیمم مع الفارق **و الثالث** ما ابداہ بقوله قد یقال عدم الجواز بالاصبع بناء علی ان البلة تتلاشی وتفرغ قبل بلوغ قدر الفرض بخلاف الاصبعین فان الماء ینحمل بین اصبعین مضمومتین فضل زیادة یحتمل الامتداد الی قدر الفرض وھذا مشاھد او مظنون فوجب اثبات الحکم باعتبارہ فعلی الاکتفاء بثلاث اصابع یجوز مد الاصبعین لان ما بینھما من الماء یمتد قدر اصبع وعلی اعتبار الربع لا یجوز لان ما بینھما مما لا یغلب علی الظن ایعابه الربع[1] اھ

میں کہتا ہوں کہ اس کا حاصل یہ نکلا کہ ہاتھ لازم نہیں ہے لیکن جب ہاتھ سے مسح کرنا ہو تو ضروری ہے کہ اتنی مقدار ہو کہ اس پر ہاتھ کا اطلاق ہوتا ہو۔ مگر اس پر متعدد طریقوں سے اعتراض ہوسکتا ہے، اوّل بارش کا مسئلہ ہمارے حق میں مفید ہے کیونکہ مقصودِ شرع یہ ہے کہ تری کی ایک معین مقدار لگ جائے خواہ کسی طرح ہو اس میں نہ تو آلہ زیرِ بحث ہے اور نہ اختیاری فعل، اور ہمارے مشایخ فرماتے ہیں کہ فرمانِ الٰہی "اور مسح کرو تم سروں کا" اس کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے ہاتھوں کا اپنے سروں سے" میں محل مقدر ہے نہ کہ آلہ صدر الشریعة، ابن الساعاتی اور خود محقق نے فتح میں یہی تقریر فرمائی ہے، غور کر۔

دوم فقہاء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اگر کسی نے انگلیوں کے پوروں سے مسح کیا اور ان سے پانی ٹپک رہا تھا تو جائز ہے، تو معلوم ہوا کہ یہاں آلہ کی تعیین اہم نہیں ہے اور اس کو تیمم پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

سوم انھوں نے "عدم الجواز بالاصبع" کہہ کر جو اعتراض کیا ہے سو وہ اس بنا پر ہے کہ تری فرض مقدار تک پہنچنے سے قبل ختم ہوجاتی ہے لیکن دو انگلیاں اگر ملی ہوں تو ان میں فرض مقدار تک پانی پہنچ سکتا ہے، اس کا مشاہدہ ہے یا ظن غالب ہے، تو اس پر اعتبار کرتے ہوئے حکم کا لگا دینا لازم ہوا تو تین انگلیوں پر اکتفا کرنا دو کے پھیر لینے کو جائز قرار دیتا ہے کیونکہ ان دو کے درمیان اتنا پانی موجود ہوتا ہے جو مزید ایک انگلی کی مقدار

---

[1] فتح القدیر کتاب الطہارت نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۷

پھیل سکتا ہے اور چوتھائی سر کے اعتبار پر جائز نہیں، کیونکہ جو پانی ان دو کے درمیان ہے ظن غالب نہیں کہ وہ چوتھائی کی مقدار کو پورا ہوسکے اھ ت

اقول آخر کلامه یشهد ان مراده بقوله یحتمل الامتداد الی قدر الفرض هو قدره علی القول باجزاء ثلاث فکان الاولی التعبیر به دفعا للوهم ثم ان المحقق رده بقوله الا ان هذا یعکر علیه عدم جواز التیمم باصبعین اھ[1]

میں کہتا ہوں کہ ان کے کلام کا آخر اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ ان کی مراد یحتمل الامتداد الی قدر الفرض سے تین انگلیوں کا پھیرنا ہے، تو بہتر یہ ہے کہ اسی سے تعبیر کی جائے تاکہ وہم رفع ہوجائے پھر محقق نے اس کو یہ کہہ کر دفع کیا ہے "مگر اس پر یہ اعتراض ہے کہ اس سے لازم آتا ہے کہ دو انگلیوں سے تیمم جائز نہ ہو اھ ت

اقول ای فلیس ثمه شیئ یفرغ و یتلاشی اذ لا حاجة الی اثر غبار علی الید فان کان ففضل غیر ملتفت الیه شرعا فکان معدوما حکما وان لم یکن فاظهر للعدم حقیقة وحکما وهذا معنی قول شمس الائمة خصوصا اذا تیمم علی الحجر الصلد فهذا کل ما اورده المحقق ولم یفصل القول فیه فصلا۔

میں کہتا ہوں اس کا مطلب یہ ہے کہ وہاں کوئی چیز ایسی نہیں جو فنا ہوجاتی ہو، کیونکہ ہاتھ پر گرد کے لگنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اگر ہو تو یہ اضافی امر ہے شرعاً اس کی حاجت نہیں، تو یہ حکماً نہ ہوا، اور اگر غبار نہ ہو تو بات زیادہ ظاہر ہوگی کیونکہ درحقیقت اور حکماً دونوں طرح ہی معدوم ہے اور شمس الائمہ کے قول "خصوصا علی الحجر الصلد" کا یہی مفہوم ہے، یہ وہ بحث ہے جو محقق نے کی ہے اور اس میں کسی قولِ فیصل کو ذکر نہ کیا۔ (ت)

اقول ویرد ایضا علی ما ابداہ ان فناء البلل غیر مطرد اما سمعت تصحیح الخلاصة[2] الجواز فی مد الاطراف وان لم یکن الماء متقاطرا مع ان حکم المسألة مطلق ویظهر لی واللہ تعالی اعلم ان لا مخلص الا ان یقال ان المراد بعدم الاجزاء ما اذا کانت

میں کہتا ہوں اور جو انہوں نے فرمایا اس کی تردید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ تری کا ختم ہوجانا کوئی عمومی امر نہیں، جیسا کہ خلاصہ کی تصحیح میں گزرا کہ مسح انگلیوں کے پوروں کے پھیرنے سے بھی ہوجائیگا خواہ ان سے پانی نہ بہتا ہو، حالانکہ مسئلہ کا حکم مطلق ہے، میرے لیے ظاہر ہوتا ہے (واللہ

---

[1] فتح القدیر کتاب الطہارت نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۱۷

[2] خلاصۃ الفتاوی الفصل الرابع فی المسح نولکشور لکھنؤ ۱/ ۲۶

البلة خفيفة تفنى باول وضع او قليل مد حتى لا تبقى الانداوة لا تنفصل عن اليد فتبل الرأس ولعله هو الاكثر وقوعا وبتصحيح الخلاصة ما اذا كانت كثيرة تبقى الى بلوغ القدر المفروض بحيث تنفصل فى كل محل وتصيب وهذا هو مراد المحيط بالتقاطر فتتفق الكلمات وانت اذا نظرت الى الوجه اذعنت بهذا التفصيل كيف ولا معنى لاجزاء النداوة فى الصورة الاولى ولا لاهدار البلة فى الصورة الثانية فليكن التوفيق وبالله التوفيق[1] اما حديث التيمم **فاقول** لا بد فيه من قصد المكلف وفعله الاختيارى فيكون لتقرير الامام شمس الائمة فيه مساغ الا ترى انهم صرحوا ان لو تيمم باصبع[2] او اصبعين وكرر مرارا لم يجز كما فى البحر عن السراج عن الايضاح ولو مسح راسه باصبع واحدة وكرر اربعا فى مواضع صح اجماعا فلا يطلب موافقة ما هنا لما فى التيمم حتى يعكر عليه به اذ لا تعين للألة ههنا اصلا بخلاف التيمم وذلك ايضا فى الطريق المعتاد اعنى التيمم باليد والا فقد نص فى الحلية ان لو تمعك[3] فى التراب يجزئه ان اصاب وجهه وذراعيه وكفيه لانه اتى بالمفروض وزيادة والا فلا[4] اى يجزئه ان نوى كما

تعالیٰ اعلم) کہ اس اعتراض سے چھٹکارے کی ایک ہی شکل ہے کہ اس سے یہ مراد لی جائے کہ جب تری اتنی کم ہو کہ رکھتے ہی ختم ہو جائے یا تھوڑا سا پھیرنے پر ختم ہو جائے اور محض اتنی باقی رہے کہ ہاتھ تر محسوس ہو اور وہ سر کو تر نہ کر سکے اور غالباً عام طور پر ایسا ہی واقع ہوتا ہے، اور خلاصہ کی تصحیح سے مراد یہ ہو کہ جب تری اتنی زیادہ ہو کہ فرض مقدار تک پہنچنے کے بعد بھی باقی رہے یعنی اس طور پر کہ ہر جگہ جدا ہو اور لگ جائے، اور محیط کی مراد تقاطر سے یہی ہے اس طرح تمام عبارات میں اتفاق ہو جائے گا، اور جو تم علت کو دیکھو گے تو یقین آجائے گا کیونکہ پہلی صورت میں تری کے پھیرنے کے اور کوئی معنی نہیں اور نہ ہی دوسری صورت میں تری کو ضائع کرنے کے، تو اس طرح تطبیق دینی چاہئے وباللہ التوفیق۔

رہی حدیث تیمم، تو اس میں مکلف کا ارادہ اور اس کا اختیاری فعل ضروری ہے، تب شمس الائمہ کی تقریر اس میں چل سکے گی، یہی وجہ ہے کہ فقہا نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ اگر کسی نے ایک یا دو انگلیوں سے تیمم کیا اور ان کو بار بار پھیرا تو جائز نہیں جیسا کہ بحر میں سراج سے ایضاح سے منقول ہے، اور اگر ایک انگلی سے اپنے سر کا مسح کیا اور چار مختلف جگہوں پر اس کا تکرار کیا تو اجماعاً صحیح ہے، تو اس کی موافقت تیمم کے معاملہ سے نہ کی جائے تاکہ اس سے اعتراض لازم آئے کیونکہ یہاں آلہ کا تعین بالکل نہیں

[1] حلیہ

لا یخفی واللہ تعالیٰ اعلم۔ بخلاف تیمم کے، اور یہ بھی معتاد طریق میں ہے۔ یعنی ہاتھ سے تیمم میں ورنہ حلیہ میں تصریح کی ہے کہ اگر کوئی شخص خاک میں لوٹ پوٹ ہوگیا اور خاک اس کے چہرے، ہاتھوں اور بانہوں کو لگ گئی تو کافی ہے کیونکہ اُس نے نہ صرف فرض ادا کرلیا بلکہ اس سے بھی زیادہ کرلیا، ورنہ نہیں اھ یعنی اگر اس نے نیّت کی ہے تو کافی ہوگا، جیسا کہ ظاہر ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔